عالم اسلام کا تجارتی اشتراک اور حائل رکاوٹیں

(دور جدید کی آزاد تجارت کے تناظر میں)

Trade cooperation in the Muslim World and apparent obstacles

[in the context of modern free trade]

☆ محمد افضل

☆☆ ڈاکٹر محمد نواز الحسنی

ABSTRACT

The present research paper explained that the absence of joint trade is the basic reason of the backwardness of the Muslim world. The whole world is divided into different trading blocs and has set up joint trade markets. European nations started developing trade alliances in the mid-20th century. In this way not only a number of free trade agreements were made but also joint trade markets were established. The method used for the present research was descriptive and qualitative. The review of literature revealed that at present the Muslim world has no joint trade market nor any commonwealth as a trading bloc. Moreover, the mutual trade of the Islamic world (that is, the 57 members of the OIC) is on a miniscule level. If the countries of western and eastern Europe can agree upon the creation of the European Union following long and destructive wars, if America, Canada and Mexico can form NAFTA, if twenty one African countries can form an alliance of COMESA, if trade organizations like ASEAN and SAARC can work in partnership in Asia, why cannot the Muslim community form a economic and trade bloc? The formation of an economic trade alliance of the Muslim nation is the need of the hour. It is obligatory for the Muslim world to overcome the hurdles in the way of setting up a joint trading bloc. For this purpose, the Muslim world must pool up its efforts for motivating the OIC to join hands, so that the Muslim world could realize economic stability and it could save itself from the exploitative world economic forums.

Keywords:joint trade market, free trade agreements, commonwealth, Muslim community, mutual trade

---

☆ پی ایچ ڈی سکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

اس وقت پوری دنیا اپنے معاشی و اقتصادی احیاء کے لیے مختلف بلاکوں اور مشترکہ منڈیوں کو تشکیل دے چکی ہے۔ یورپی اقوام نے بیسویں صدی کے وسط میں ہی اپنی تمام تر دشمنیاں بھلا کر فری ٹریڈنگ کلچر کی بنیاد پر وسیع البنیاد تجارتی اتحاد پر کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں براعظم یورپ کے ۲۷ ممالک نے یورپی یونین (European Union) کی صورت میں اقتصادی و سیاسی اتحاد قائم کیا۔ اس کے برعکس مسلم دنیا آج تک کوئی مشترکہ تجارتی منڈی (Commom trade market) یا اقتصادی بلاک (Economic block) قائم نہیں کر سکی۔ اگر مغربی اور مشرقی یورپ کے ممالک دو طویل اور تباہ کن جنگوں کے بعد یورپی یونین (European Union) پر متفق ہو سکتے ہیں، امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو نافٹا (NAFTA) بنا سکتے ہیں، ۲۱ ممالک کا افریقی اتحاد 'کومیسا' (COMESA) بن سکتا ہے، ایشیا میں آسیان (ASEAN) اور سارک (SAARC) بن سکتی ہے، تو عالم اسلام کا مشترکہ تجارتی بلاک کیوں نہیں بن سکتا؟ یہ اَمر امت مسلمہ کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس مضمون میں عالمِ اسلام کے تجارتی اشتراک سے متعلق اِن اُمور کو زیرِ بحث لایا جائے گا کہ مسلم ممالک میں کیسے تجارتی اشتراک معرضِ وجود میں آسکتا ہے اور اس اشتراک کے ذریعے مسلم دنیا کس طرح ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے:

تجارتی اشتراک سے متعلق اسلامی تعلیمات

اُمت کے عظیم تر مفاد کے لیے لازم ہے کہ تمام مسلم ممالک اپنی جغرافیائی حدبندیوں اور فاصلوں کے باوجود تجارتی اشتراک پر سنجیدگی سے غور کریں۔ قرآنِ حکیم نے اس حوالے سے اُصولی راہنمائی فراہم کرتے ہوئے دنیا کے تمام مسلمانوں کو 'أُمَّةً وَاحِدَةً' فرما کر ایک اُمت اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ﴾(۱)

"اور بے شک یہ تمہاری امت ہے ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ڈرا کرو۔"

اسی طرح سورہ الحجرات کی آیت إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ(۱) میں بھی یہی پیغام ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان سماجی و اقتصادی الغرض ہر سطح پر اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کریں تاکہ امت کو قوت واستحکام نصیب ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے کے لیے "بنیاد" قرار دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) سورۃ المؤمنون، ۲۳/ ۵۲

''إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا''(۲)

''بے شک ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے بنیاد کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو طاقت پہنچاتا ہے۔''

ساری دنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے لیے أُمَّةً وَاحِدَةً اور اَلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کی عملی تصویر صرف اسی وقت بن سکتے ہیں جب وہ عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات یعنی معیشت و تجارت میں بھی اخوت و وحدت کا مظاہرہ کریں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلامی برادری اس وقت تک كَالْبُنْيَان اور كَمَثَلِ الْجَسَد(۳) کا عملی مظاہرہ نہیں کر سکتی جب تک وہ یورپی یونین (European Union) اور نافٹا(NAFTA)(۴) کی طرح تجارتی اشتراک تشکیل دے کر ہر کسی قسم کی تجارتی پابندیاں ختم نہیں کرتی۔ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ(۵) کے حیات آفریں تصور کا عملی اظہار اُس دن ہو گا جب مسلم دنیا کی پیداوار اور اشیاء بلا روک ٹوک عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک منتقل ہوں۔

تجارتی اشتراک سے متعلق اہل علم کی آراء

عالمی اقتصادی رجحان کو دیکھتے ہوئے تقریباً تمام طبقہ ہائے فکر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس وقت کوئی ملک یا خطہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اقتصادی ترقی نہیں کر سکتا۔ آج امریکہ اور یورپ جیسے اقتصادی پاور ہاؤس (Economic powerhouse) بھی مجبور ہیں کہ وہ ارد گرد کے ممالک سے تجارتی اشتراک قائم کریں۔ اس تناظر میں مسلم دنیا کا ایک وسیع البنیاد تجارتی اشتراک نہایت ناگزیر ہے۔ حضرت عمر فاروق ﷛(۲۳ھ) کا یہ سرکاری فرمان مسلم ریاستوں کے

(۱) سورۃ الحجرات،۴۹/ ۱۰۔''(بات یہی ہے کہ (سب) اہل ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔)''

(۲) بخاری، الجامع الصحیح، ج ۱، ص ۱۸۲، رقم: ۴۶۷۔

(۳) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار القلم، بیروت، لبنان۔ ج ۵، ص ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵۔

(۴) امریکہ، میکسیکو اور کینیڈا نے اب جنوری 2017ء سے NAFTA کی جگہ USMCA یعنی United States–Mexico–Canada Agreement کے نام سے نیا معاہدہ کر لیا ہے۔

(۵) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار القلم، بیروت، لبنان۔ ج ۲، ص ۸۶۱، رقم: ۲۳۱۰۔

بابین تجارتی اشتراک کے لیے مشعل راہ ہے جس میں آپ ﷺ نے دیگر خطوں کے تاجروں کو پُر کشش مراعات دیتے ہوئے فرمایا:

''أَيُّمَا جَالِبٍ جَلَبَ عَلَى عَمُودِ كَبِدِهِ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَذَلِكَ ضَيْفُ عُمَرَ فَلْيَبِعْ كَيْفَ شَاءَ اللَّهُ وَلْيُمْسِكْ كَيْفَ شَاءَ اللَّهُ''(۱)

''جو تاجر خون پسینہ ایک کرکے، گرمی اور سردی برداشت کرکے ہمارے ملک میں غلہ لائے وہ عمر کا مہمان ہے۔ پھر جیسے اللہ چاہے اپنے غلہ کو بیچے اور جیسے اللہ چاہے اسے روکے (ریاست اس میں مداخلت نہیں کرے گی)۔''

اس سرکاری فرمان کے بعد جو تاجر (موجودہ دور کی اصطلاح میں تجارتی اتحاد کے رکن ممالک) بھی اسلامی ریاست کی منڈیوں میں باہر سے مال لے کر آتے تو وہ ریاستی مہمان ہوتے۔ ذیل میں مسلم دنیا کے تجارتی اتحاد کے حوالے سے چند اہل علم کی آراء درج کی جاتی ہیں:

۱۔ تجارتی اشتراک سے معاشی سطح پر مفادات کے حوالے سے ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

''وحدتِ اُمت کا پاکیزہ درس امت مسلمہ کو اس حقیقت کی تبلیغ کرتا ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ اور ان کے مختلف شہر دراصل ایک ہی وحدت کی کڑیاں ہیں۔ ان کی مختلف پیداواریں اور مصنوعات تمام عالم اسلام کے لیے افادیت کی چیزیں ہیں اور فاضل عاملین پیدائش (Factors of production) اور ذرائع پیداوار ان بلاد اسلامیہ کے درمیان بلاروک ٹوک منتقل ہوتے رہیں اور اس طرح تمام ممالک اسلامیہ کے مکینوں کی ضروریاتِ زندگی بآسانی اور بافراوانی پوری ہوتی رہیں۔''(۲)

۲۔ مسلم دنیا کے تجارتی اتحاد اور مشترکہ تجارتی منڈی کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری لکھتے ہیں:

---

(۱) مالک، مالک بن انس اصبحی، (۱۴۰۶ھ)، الموطا، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ ج ۲، ص ۶۵۱، رقم: ۱۳۲۷۔

(۲) نور محمد غفاری، ڈاکٹر، (۱۹۸۶ء)، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور، پاکستان۔ ص ۱۹۲۔

”آج مسلم ممالک کے مابین معاشی اتحاد ناگزیر ہو چکا ہے۔ مسلم ممالک اپنی مشترکہ تجارتی منڈیاں(Common Trade Markets) قائم کریں۔اس سے نہ صرف غریب ملکوں کی معاشی حالت بہتر ہو گی بلکہ اسلامی ممالک کا معاشی بلاک بننے کی طرف بھی پیش قدمی ہو گی۔“(۱)

۳۔ مسلم دنیا کے حکمران بھی وقتاً فوقتاً باہمی تجارت کے فروغ کے لیے ماحول سازی کرتے رہتے ہیں۔ پنجاب کے سابقہ چیف منسٹر ایم ایم شہباز شریف نے باہمی تجارتی اشتراک کی ترغیب دیتے ہوئے کہا:

“Muslim countries should promote mutual trade and economic cooperation and lay the foundation of Islamic international market which should be based on the universal Islamic principles of trade. Islamic countries could make rapid progress through benefiting from each others' experiences, skills and technology”(2)

”مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ باہمی تجارت اور معاشی تعاون کو فروغ دیں اور ایک ایسی اسلامی بین الاقوامی مارکیٹ کی بنیاد رکھیں جو تجارت کے آفاقی اسلامی اصولوں پر استوار ہو۔اسلامی ممالک ایک دوسرے کے تجربات، مہارت اور ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تیزی سے ترقی کر سکتے ہیں“

۴۔ مسلم دنیا کی باہمی تجارت موجودہ گراف سے بہت زیادہ بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ عبد الشکور چوہدری مسلم دنیا کی باہمی تجارت کو فروغ دینے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”وہ اشیاء جو پاکستان اور دیگر ممالک کی ضرورت ہیں اور مقامی طور پر تیار نہیں ہوتیں، بہتر ہے کہ ایک دوسرے سے ترجیحی بنیادوں پر خریدی جائیں۔ پاکستان ٹیکسٹائل، لیدر، اسپورٹس اور سرجیکل کے شعبے کے علاوہ سروس سیکٹر میں ٹیلی کمیونی کیشن، انفارمیشن ٹیکنالوجی، بینکنگ اور انشورنس میں اپنی مہارت دیگر ممالک کو فراہم کر سکتا ہے۔ اس طرح ملائیشیا پام آئل، انڈونیشیا ربر، ایران آئل، جبکہ ترکی لائٹ

---

(۱) حسین محی الدین، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء)، اسلامی نظام تجارت تاریخ کے آئینے میں، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۹ اگست ۲۰۱۱ء۔

(2) Muslim countries mutual trade, Retrieved Nov 13, 2019, from https://defence.pk.

انجینئرنگ پروڈکٹس(light engineering products) میں پاکستان کے ساتھ جوائنٹ وینچرز قائم کر کے باہمی تجارت اور اقتصادی تعاون کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اس طرح سنٹرل ایشیا کے ممالک کے قدرتی وسائل سے پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور ملائشیا جیسے ممالک فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔"(۱)

اس باہمی تجارتی اشتراک سے اسلامی ممالک اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اپنے امورِ حیات کی تنظیم خود کر سکیں۔ اس طرح ایک نئی صبح طلوع ہو گی جو اُس قیادت اور سرفرازی کو واپس لائے گی جو کسی بھی خطے کے معاشی استحکام کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔

مسلم دنیا کے تجارتی اشتراک کے لیے بہترین مواقع

ذیل کی مباحث سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ اگر مسلم دنیا تجارتی اتحاد قائم کرنا چاہے تو اس کے پاس تجارتی اشتراک کے بہترین وسائل اور مواقع موجود ہیں:

ا - عالم اسلام کا نہایت موزوں محل وقوع

قدرتی طور پر مسلم دنیا کرۂ ارض کے درمیان میں عمدہ، دفاعی اور سٹریٹیجک مقام (Strategic position) پر واقع ہیں۔ جغرافیائی، موسمیاتی اور وسائل کے اعتبار سے عالم اسلام کا محل وقوع نہایت موزوں ہے۔ فطرت نے اسلامی دنیا کو قابل رہائش خطہ (Habitable area)، گرم پانی(Warm Water)، مادی وسائل(Material resources)، انسانی وسائل (Human resources)، قدرتی وسائل (natural resources)، تہذیبی مراکز (Civilization Center) اور اسلام جیسی اُن تمام نعمتوں سے نوازا ہے جو کسی بھی قوم کی اقتصادی و معاشی ترقی کے لیے ناگزیر ہیں۔ ڈاکٹر رفیق احمد(۲) تحریر کرتے ہیں:

---

(۱) چوہدری، عبد الشکور، (۲۰۰۷ء)، عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل (مقالہ پی ایچ ڈی)، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد۔ ص۴۲۹۔

(۲) پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی تھے۔ آپ ۲۶ مارچ ۲۰۲۰ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔

"اسلامی علاقے بحر اوقیانوس(Atlantic Ocean) کے مشرقی سواحل سے لے کر بحر الکاہل کے مغربی سواحل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی اہمیت یہ ہے کہ اشیاء کی کھپت اور تجارت کے لیے ایک بہت ہی وسیع مارکیٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ممالک کا غالب حصہ جغرافیائی طور پر متصل ہے جس سے آمد و رفت میں بہت آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔(۱)

۲ - مسلم دنیا کی اہم تجارتی آبی گزر گاہیں

حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کے بیشتر زمینی و بحری راستوں کے سنگم (junction) اسلامی ممالک میں ہیں۔ تمام تجارتی آبی گزر گاہیں مسلم دنیا میں ہیں۔ اس بارے ڈاکٹر رفیق احمد لکھتے ہیں:

"ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تقریباً تمام سمندری تجارتی راستے(Maritime trade routes)اسلامی علاقوں سے گزرتے ہیں۔ جبرالٹر، سویز، عدن اور سنگاپور کا محلِ وقوع تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔"(۲)

مسلم دنیا کی چند اہم تجارتی آبی گزر گاہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ آبنائے باسفورس	(Strait of Bosphorus)	(ترکی)
۲۔ درہ دانیال	(Strait of Dardanelles)	(ترکی)
۳۔ آبنائے جبل الطارق	(Strait of Gibraltar)	(مراکش)
۴۔ نہر سویز	(Suez Canal)	(مصر)

(1) Zahid Malik, Re-emerging Muslim World, National Book Foundation, Lahore. See article on "Muslim World's Economic Relations" by Rafique Ahmad, PP. 66.

(2) Ibid.

۵۔ باب المندب	(Bab-el-Mandeb)	(یمن)
٦۔ آبنائے ملاکا	(Strait of Malacca)	(ملائشیا)
۷۔ مالٹا چینل	(Malta Channel)	(جزیرہ مالٹا کا آبی راستہ)
۸۔ منیکو چینل	(Minicoy Channel)	(مالدیپ)
۹۔ آبنائے ہرمز	(Strait of Hormuz)	(ایران)

۳ - عالم اسلام کے قدرتی اور انسانی وسائل

اسلامی دنیا کے پاس قدرتی اور انسانی وسائل(Natural & Human Resources) کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پوری دنیا کے ۱۰۳ ملین کلو میٹر جغرافیائی رقبے میں سے مسلمان کے پاس ۳۰.۵۱ ملین کلو میٹر ہے، جو کہ ۲۹.٦۲ فیصد بنتا ہے۔ عالمی آبادی کے شمار کی جدید ترین ویب سائٹWorldometers کے مطابق اس وقت دنیا کی آبادی ۷ ارب ۴۷ کروڑ اور ۳٦ لاکھ ہے[1] اور عالمی آبادی جائزہ رپورٹ (World Population Review-2019) کے مطابق اس میں سے مسلمان 1 ارب 90 کروڑ ہیں یعنی مسلمانوں کی آبادی دنیا کی آبادی کا ۲۴.۴ فیصد ہے۔[2] اقوام متحدہ کے ۱۹۳ ممبر ممالک میں ۵۷ مسلمان ممالک ہیں۔ عالم اسلام کے اِن قدرتی وسائل اور تنظیمی ارتقا کا ذکر کرتے ہوئے عبد الشکور چوہدری لکھتے ہیں:

> "مسلم ممالک میں لوہا، تانبا، ٹین، ربڑ، ہر قسم کا اچھے سے اچھا پتھر، سونا اور کوئلہ پایا جاتا ہے۔ عالم اسلام میں باہمی تعاون اور ترقی کیلیے اداروں کو بھی فروغ ملا ہے۔ عرب مشترکہ منڈی(Arab

---

(1) Current World Population, Retrieved Nov 13, 2019, 04:55pm from https://www.worldometers.info/world-population.

(2) World Population Review, Retrieved Nov 13, 2019, 04:55pm from http://worldpopulationreview.com/countries/muslim-population-by-country/

(Common Market-ACM)، خلیج تعاون کونسل (GCC)، اسلامی ترقیاتی بینک (IBD)
اسلامی کانفرنس تنظیم اور کئی دوسری تنظیمیں اور ادارے معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔"(۱)

اگرچہ مسلم دنیا کے یہ سب ادارے اور تنظیمیں عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں اور آہستہ آہستہ عالم اسلام کو ایک دوسرے کے قریب بھی لا رہی ہیں۔ لیکن ان کی رفتار انتہائی سست ہے۔ یہ تمام ادارے اگر بے جان نہیں تو نیم جان ضرور ہیں۔

مسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی

مسلم دنیا کا عالمی برادری سے پچھڑنے اور پس ماندہ رہ جانے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کی کوئی مشترکہ تجارتی منڈی (common trade market) نہیں ہے۔ مشترکہ تجارتی منڈی کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ محصول ہوتا ہے۔ اسلامی عہد میں مسلم خطوں کی باہمی تجارت کے فروغ کے لیے وہاں کے مسلمانوں اور ذمیوں سے محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ ابوعبید قاسم بن سلام نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم بن مہاجر نے حضرت زیاد بن حدیر کو فرماتے ہوئے سنا:

''مَا كُنَّا نَعْشُرُ مُسْلِمًا وَلَا مُعَاهَدًا، كُنَّا نَعْشُرُ نَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ'' (۲)

"ہم مسلمان اور ذمی تاجروں (یعنی اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں) پر محصول نہیں لگاتے تھے، بلکہ ہم صرف بنو تغلب کے عیسائی تاجروں پر محصول لگاتے تھے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز (۶۱-۱۰۱ھ) نے ٹیکس کو ظلم قرار دیتے ہوئے محصولات فری تجارتی اشتراک کو فروغ دینے کے لیے اپنے ایک گورنر کو لکھا۔

''وَضَعْ عَنِ النَّاسِ الْمَكْسَ، وَلَيْسَ بِالْمَكْسِ، وَلَكِنَّهُ الْبَخْسُ'' (۳)

"لوگوں سے محصول چونگی لینا بند کر دو کیونکہ یہ محصول نہیں بلکہ ظلم کا ٹیکس ہے۔"

---

(۱) عبدالشکور چوہدری، عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل (مقالہ پی ایچ ڈی)، ص۷ ۴۴۔

(۲) ابوعبید، قاسم بن سلام، (۱۴۰۸ھ)، کتاب الأموال، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ص۶۳۵۔

(۳) ایضاً، ص۶۳۲۔

مسلم دنیا کی مشترکہ منڈی اور اقتصادی بلاک کا قیام کتنا ضروری ہے، اس بابت ذیل میں چند اہلِ علم کے خیالات ذکر کیے جاتے ہیں:

ا۔ مسلم دنیا کے لیے ایک آزاد تجارتی مارکیٹ کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

"اب اُمتِ مسلمہ کے تمام اداروں خصوصا او آئی سی (OIC) کا فرض ہے کہ فوری طور پر مسلم ممالک کی "مشترکہ منڈی" قائم کریں اور علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر اقتصادی تعاون کے مؤثر منصوبوں کو فروغ دیں۔ وسط ایشیا اور جنوبی ایشیا میں اقتصادی تعاون کی تنظیم ایکو(ECO) ایسے تعاون کی بہترین مثال ہے جو پاکستان سمیت 10 اسلامی ممالک پر مشتمل ہے۔ یہ تمام ممالک وسائل سے مالامال ہیں۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ اقتصادی تعاون کو فروغ دیں اور اس طرح ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور GATT[1] کی اجارہ داریوں سے چھٹکارا حاصل کریں۔"[۲]

۲۔ ایران کے وزیر صنعت محمد رضا نعمت زادہ نے مسلم دنیا کو مشترکہ منڈیوں کی ترغیب دی۔ Daily Financial tribune کے مطابق:

"The minister also called on Muslim countries to establish joint markets, adding that it requires the improvement of industrial and technological capabilities of these countries" [3]

"وزیر نے مسلم ممالک سے مشترکہ منڈیوں کے قیام کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کے لیے ان ممالک کی صنعتی اور تکنیکی صلاحیتوں میں بہتری کی ضرورت ہے۔"

---

(۱) عالمی تجارت اور سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے یکم جنوری 1948ء میں ایک ادارہ تشکیل دیا گیا جسے اردو میں 'محصولات و تجارت کا معاہدہ عام' اور انگریزی میں گاٹ (General Agreement on Tariff and Trade−GATT) کہتے ہیں۔

(۲) طاہر القادری، ڈاکٹر، (۱۹۹۴ء)، نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، منہاج پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔ ص ۶۴۔

(3) Daily Financial tribune, November 11, 2014, Retrieved Feb 08, 2020, from https://financialtribune.com/articles/economy-business-and-markets.

۳۔OIC کے رکن ممالک مشترکہ منڈی کا عظیم مقصد کیسے حاصل کرسکتے ہیں، اس بارے میں ڈاکٹر سعید کہتے ہیں:

"In order to attain the goal of the OIC Common Market, the member states should start from lower levels of integration such as preferential trade agreements, free trade areas and Customs unions.Moving in this direction can help them toward the shared goal of the common market while taking into account their different degrees of development." (1)

"مسلم ممالک کی تنظیم کو مشترکہ منڈی کا ہدف حاصل کرنے کے لیے ممبر ممالک کو نچلی سطح پر ترجیحی تجارت کے معاہدوں، آزاد تجارتی علاقوں اور کسٹم یونین کے انضمام سے آغاز کرنا چاہئے۔ اس سمت میں عمل کرنے سے ترقی کی مختلف سطحوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مشترکہ مارکیٹ کے ہدف کے حصول میں مدد مل سکتی ہے۔"

اہل علم کی ان آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اگر مسلم دنیا دیگر خطوں کی طرح اقتصادی استحکام چاہتی ہے تو اسے بھی ایک فعال اور متحرک مشترکہ تجارتی منڈی تشکیل دینا ہو گی۔ ایسی منڈی جہاں نہ صرف عالم اسلام کے تمام ممالک ایک دوسرے کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھائیں بلکہ وہاں پورے عالم اسلام کا تجارتی مال ہمہ وقت آتا جاتا رہے۔

مسلم دنیا کے تجارتی اشتراک میں حائل رکاوٹیں

مسلم ممالک کے تجارتی اشتراک میں حائل رکاوٹیں دور کیے بغیر باہمی تجارت کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل "حِلفُ الفُضُول" جیسے انسان دوست معاہدے کا مقصد ہی مختلف قبائل کے مابین تجارتی فروغ اور بیرونی تاجروں کا معاشی تحفظ تھا۔ اس معاہدے کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''وَلَوْ دُعِيَ بِهِ فِي الْإِسْلاَمِ لَأَجَبْتُ'' (۲)

---

(1) DAWN, 23 April, 2012.

(۲) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۱۴۰۷ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان ۲/۲۹۳۔

"اگر عہدِ اسلام میں بھی مجھے اس قسم کے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اسے بھی قبول کروں گا۔"

ریاستی سطح پر تجارتی تعلقات کے فروغ کی ایک مثال یمامہ کے سردار ثُمامہ بن اُثال ؓ کی ہے۔ جب اس نے قریش مکہ کے غیر منصفانہ رویوں کی وجہ سے تجارتی مقاطعہ کرکے انہیں خوراک کی سپلائی منقطع کردی تو حضور ﷺ نے اسے کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے ساتھ تجارتی سرگرمیاں بحال کرے۔ ابن ہشام (م۲۱۳ھ) نقل کرتے ہیں:

"فَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَيْهِ أَنْ يُخَلِّي بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْحَمْلِ"(۱)

"حضور نبی اکرم ﷺ نے ثُمامہ کو حکم دیا کہ وہ اہل مکہ اور تجارتی نقل و حمل کے درمیان ناکہ بندی (blockade) ختم کردے۔"

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) آیت وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ(۲) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی تاجر حالتِ جنگ میں بھی تجارتی مقاصد کے لیے پناہ طلب کرے تو اسے امان اور تحفظ (peace & security) فراہم کیا جائے گا۔(۳) یہاں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام مختلف خطوں کے مابین تجارتی اُمور کی انجام دہی کے لیے لیے لچک دار اور مصالحانہ رویہ اختیار کرتا ہے تاکہ کشیدہ اور تلخ حالات میں بھی تجارتی تسلسل متاثر نہ ہو۔ دوسری طرف آج اکثر مسلم ممالک کی صورت حال یہ ہے کہ جغرافیائی قربتوں، مذہبی و ثقافتی رشتوں اور دیگر مماثلتوں کے باوجود ان کی باہمی تجارت مایوس کن ہے۔ ان کے مابین تجارتی عدم اشتراک کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱ - باہمی رابطوں اور تعاون کی کمی

مسلم دنیا کے تجارتی اشتراک میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلم ممالک کے مابین رابطوں اور تعاون کی کمی ہے۔ اس بے اعتنائی کی بنیادی وجہ قرار دیتے ہوئے عرفان قیصر شیخ لکھتے ہیں:

---

(۱) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک ہشام الحمیری، (۲۰۰۳ء)، السیرۃ النبویہ، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۶۳۸/۲۔

(۲) التوبۃ، ۹: ۶ (اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دے دیں)۔

(۳) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، (۱۴۰۰ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔ ۳۳۸/۲۔

"There is huge potential for increasing the share of the intra-OIC trade to address the issues of poverty, low economic growth and investment in the member states provided the problems restricting interaction and cooperation between private sector of the member states are removed."(1)

"رکن ممالک میں غربت، کم معاشی نمو اور سرمایہ کاری کے مسائل کو دور کرنے کے لیے OIC ممالک کے درمیان تجارتی تناسب بڑھانے کی بہت بڑی صلاحیت موجود ہے بشرطیکہ ممبر ممالک کے نجی شعبے کے مابین باہمی رابطوں اور تعاون کو محدود کرنے والے مسائل کو دور کیا جائے۔"

مسلم دنیاکے حکمرانوں کے لیے باہمی معاشی تعاون کی ناگزیریت سے متعلق ڈاکٹر حسین محی الدین لکھتے ہیں:

"باہمی تجارت سے مسلم ممالک کو معاشی استحکام ملے گا۔ معاشی خوشحالی مسلم ممالک میں علم و تحقیق کے نئے دروازے کھولے گی مگر یہ تب ہی ممکن ہو گا جب مسلم حکمران معاشی تعاون کی ناگزیریت کو سمجھیں گے۔"(۲)

۲ - سیاسی عزم کا فقدان

سیاسی عزم کا فقدان اور باہمی عدمِ اعتماد بھی مسلم ممالک کے درمیان تجارتی عدم اشتراک کی اہم وجہ ہے۔ ڈان (Dawn) اخبار لکھتا ہے:

"Lack of political will, cross-border disputes and mistrust are major factors hampering the development of trade among OIC (Organisation of Islamic Cooperation) countries which, according to the Islamic

(1) Ibid.

(۲) حسین محی الدین، ڈاکٹر، مسلم ممالک کے مابین معاشی تعاون کی ناگزیریت، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲ستمبر ۲۰۱۱ء۔

Development Bank, accounts for less than six per cent of the global trade."(1)

"اسلامی ممالک کے مابین تجارت کے عدمِ فروغ میں اہم عوامل سیاسی عزم کا فقدان، سرحد پار تنازعات اور عدم اعتماد ہیں۔ اسلامی ترقیاتی بینک(Islamic Development Bank) کے مطابق عالمی تجارت میں مسلم ممالک کا حصہ چھ فیصد سے بھی کم ہے۔"

۳ - تجارت میں غیر مسلم ممالک کو ترجیح دینا

مسلم ممالک کے تجارتی اشتراک میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ کئی مسلم ممالک باہمی تجارت کی بجائے دیگر ممالک کے ساتھ تجارت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کئی مسلم ریاستوں کے حکمران ایسے ہیں جو آج بھی کہتے ہیں کہ:

﴿هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾(۲)

"مسلمانوں کی نسبت یہ (کافر) زیادہ سیدھی راہ پر ہیں"

یہ حکمران آج بھی مسلم برادری کی بجائے غیروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس ایسے کے بارے میں محمد رضا نعمت زادہ لکھتے ہیں:

"Muslim countries mostly conduct trade with non-Muslim countries, while allocating only a small proportion of their foreign trade to Muslim partners .So, Islamic countries have the potential and capacity to further develop their cooperation."(3)

---

(1) DAWN, 23 April, 2012.

(۲) سورۃ النساء، ۴/ ۵۱

(3) Daily Financial tribune, November 11, 2014, Retrieved Feb 08, 2020, from https://financialtribune.com/articles/economy-business-and-markets.

"مسلم ممالک اپنی زیادہ تر تجارت غیر مسلم ممالک کے ساتھ کرتے ہیں، جبکہ اپنی غیر ملکی تجارت کا صرف تھوڑا سا حصہ ہی مسلم شراکت داروں کے ساتھ کرتے ہیں، حالانکہ اسلامی ممالک اپنے تعاون کو مزید فروغ دینے کی صلاحیت اور قابلیت رکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر حسین محی الدین اس بارے میں لکھتے ہیں:

"عالم اسلام کے زیادہ تر ممالک غیر رکن ملکوں سے کھانے کی اشیا درآمد کرتے ہیں جب کہ وہ اشیا دیگر رکن ممالک کے پاس وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔"(۱)

۴ - سیاسی تناؤ اور باہمی تنازعات

مسلم دنیا کے تجارتی عدمِ اشتراک کی ایک بڑی وجہ ان کے باہمی تنازعات بھی ہیں۔ قرآن نے اگرچہ صدیوں قبل اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفۡشَلُواْ وَتَذۡهَبَ رِيحُكُمۡۖ (۲) مگر عالم اسلام کے حکمرانوں نے اس حکمت آموز فرمان سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ترکی کی معروف کاروباری شخصیت محمد حبیب(Mehmet Habbab) نے مسلم ملکوں خصوصاً مشرق وسطی کے تنازعات کو تجارتی اشتراک کے لیے بنیادی رکاوٹ قرار دیتے ہوئے کہا:

"Political tension and the chaotic environment in the Middle East are significant obstacles for firms in the member states to buy and sell goods to each other."(3)

"مشرق وسطی میں سیاسی تناؤ اور افراتفری کا ماحول ممبر ممالک کے تجارتی اداروں کے لیے ایک دوسرے کے سامان خریدنے اور فروخت کرنے میں اہم رکاوٹیں ہیں۔"

---

(۱) قادری، حسین محی الدین، ڈاکٹر، مسلم ممالک کے مابین معاشی تعاون کی ناگزیریت، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲ ستمبر ۲۰۱۱ء۔

(۲) الأنفال، ۸: ۴۶۔ "اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"

(3) Daily Sabah, Istanbul, 14 April 2016, Retrieved Feb 07, 2020, from https://www.dailysabah.com

عالم اسلام کے تجارتی اشتراک کے لیے تجاویز

ا - عالمی مالیاتی اداروں کا قیام

عالمی مالیاتی اداروں کے بغیر عالمی تجارت تقریباًنا ممکن ہے۔ تجارتی فروغ کے لیے سرمایہ کی فراہمی اور مالیاتی اداروں کا قیام کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ لا بُدَّ لِلنَّاسِ فِيهَا مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ يُقِيمُ الرَّجُلُ بِهَا دِينَهُ ودُنْيَاهُ'' (۱)

''آخر زمانہ میں ہر انسان کے لیے مال و دولت اتنا ناگزیر ہو جائے گا کہ ایک انسان کے دین و دنیا کی بقا کا انحصار بھی دِرہم و دِینار پر ہو گا۔''

عالم اسلام میں بین الاقوامی سطح کا کوئی بڑا اور مؤثر مالیاتی ادارہ موجود نہیں ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

''عالم اسلام کو چاہیے کہ مسلمان ممالک پر مشتمل مسلم اکنامک کمیونٹی (Muslim Economic Community) کی تشکیل کریں اور امریکہ اور مغربی طاقتوں کی اجارہ داریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ جس طرح یورپ EEC(۲) کے پلیٹ فارم پر متحدہ یورپ کی شکل میں تیزی سے اقتصادی اصلاحات کر رہا ہے اور امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو مل کر NAFAT کے ذریعے اقتصادی اصلاحات کر رہے ہیں۔ اسی طرح مسلمان ممالک کو بھی علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے ٹریڈ اور ٹیرف (trade and tariff) کے قوانین بنانے چاہیں تاکہ مسلمان اپنے وسائل بڑی طاقتوں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھ سکیں''(۳)

---

(۱) طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشامی، (۱۹۸۳ء)، المعجم الکبیر، الموصل، مکتبۃ الزہراء، عراق۔ ۲۰/ ۲۷۹۔

(۲) اس سے مراد یورپین اکنامک کمیونٹی (European Economic Community) ہے۔

(۳) طاہر القادری، ڈاکٹر، نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، ص ۶۴۔۶۵۔

اس کے علاوہ مسلم دنیا کو چاہیے کہ وہ بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے لیے اسلامک چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹریز (Islamic Chambers of Comerce and Industries) اور کثیر القومی کارپوریشنز (Multi-National Corporations) تشکیل دے۔

۲ - مشترکہ بنک کا قیام

تاجروں کو سرمایہ فراہم کرنے اور پسماندہ مسلم ممالک کی مالی اعانت کے لیے اسلامی دنیا کا اپنا مشترکہ بنک ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کی نظیر ہمیں عہدِ نبوی میں قبیلہ اَشعری کے اس عمل سے ملتی ہے کہ جب وہ معاشی بحران میں مبتلا ہوتے تو اپنا سارا مال ایک جگہ جمع کرتے اور پھر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ''(۱)

''ان کے پاس جو کچھ ہوتا اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے اور پھر ایک برتن کے ساتھ آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔''

یہ مالی اشتراک اور حسنِ تقسیم انہیں معاشی بحران سے نکال دیتا۔ اس میں عالم اسلام کے لیے سبق یہ ہے کہ جس طرح یورپی اتحاد نے ۲۷ ممالک کا مشترکہ ''یورپین مرکزی بنک'' (European Central Bank) قائم کیا ہے اسی طرح انہیں بھی 'مسلم ورلڈ بنک' قائم کرکے پوری دنیا میں اسلامی بینکاری چینلز کھولنے چاہییں تاکہ مسلم ممالک کے مابین معاشی اتحاد کے امکانات روشن ہوں۔ اس بنک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ عرب دنیا کا جو سرمایہ مغربی بینکوں میں جاتا ہے اس سے مسلم دنیا فائدہ اٹھائے گی۔ عبد الشکور چوہدری لکھتے ہیں:

''اب عالم اسلام کو اپنا ایک مشترکہ بنک بنانا چاہیے جو بین الاقوامی معیار کا ہو۔ تمام مسلمان ممالک خاص طور پر عالم عرب اس اسلامی بنک میں اپنا پیسہ جمع کروائیں اور پھر وہاں سے دوسرے ترقی پذیر اسلامی ممالک کو قرضے دیئے جائیں''(۲)

---

(۱) بخاری، الجامع الصحیح، ج۲، ص۸۸۰، رقم:۲۳۵۴۔

(۲) عبد الشکور چوہدری، عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل (مقالہ پی ایچ ڈی)، ص۳۴۲۔

۳ - مشترکہ کرنسی کا اجراء

جب تک یورو (Euro)[۱] کی طرح کوئی مشترکہ کرنسی مسلم دنیا کا ''زر قانونی''(legal tender) نہیں بنتا اس وقت تک ان کی باہمی تجارت میں ترقی، سہولت اور تیزی نہیں آسکتی۔ آج عالم اسلام کے وسیع تر مفاد کے لیے ناگزیر ہو چکا ہے کہ وہ بھی مشترکہ کرنسی کی طرف پیش رفت کرے۔ اس کی عملی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ ابتدائی طور پر مسلم خطوں میں پائے جانے والے مختلف علاقائی معاشی اتحاد مثلاً ایکو (ECO) وغیرہ اپنی کرنسی کا اجراء کریں۔ ان کی کامیابی کے بعد OIC کی سطح پر پورے عالم اسلام کی مشترکہ کرنسی کو بھی شروع کیا جا سکتا ہے۔ ملائیشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے امریکی ڈالر کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے دسمبر ۲۰۱۹ء میں کوالالمپور کانفرنس(kuala lumpur conference) کے دوران مسلم دنیا کی مشترکہ کرنسی کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

> ''تمام اسلامی ممالک امریکی ڈالر پر اپنا انحصار کم کرنے اور معاشی ترقی حاصل کرنے کے لیے اسلامی دینار نامی ایک مشترکہ کرنسی بنائیں اور اس کرنسی میں ہی ایک دوسرے کیساتھ تجارت کی جائے''[۲]

عبد الشکور چوہدری مشترکہ کرنسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عالم اسلام کی ایک مشترکہ کرنسی ہونی چاہیے اور مسلمان ممالک آپس میں اس کرنسی کے ذریعے تجارت کریں۔''[۳]

۴ - مشترکہ ایوان ہائے صنعت وتجارت کا قیام

جس طرح یورپ اور امریکہ بلکہ ہر کامیاب اقتصادی اتحاد کا مشترکہ ایوان ہائے صنعت وتجارت ہوتا ہے اسی طرح مسلم دنیا کو بھی چاہیے کہ صنعت وتجارت اور سرمایہ کاری کے معاملات نبٹانے اور اسے مزید ترقی دینے کے لیے ایک مشترکہ ایوانِ صنعت وتجارت قائم کریں۔ اس پلیٹ فارم سے نہ صرف آپس میں تجربات وتحقیقات کا تبادلہ کریں بلکہ دیگر ترقی یافتہ اقوام کے تجربات ومشاہدات سے بھی فائدہ اٹھائیں۔ جس مسلمان ملک کا صنعتی زون کمزور ہو اس کی مدد کریں

---

(۱) یورپی یونین کے ۲۷ میں سے ۱۹ ارکان کی مشترکہ کرنسی جس کا اجراء ۲۰۰۲ء میں کیا گیا۔

(۲) روزنامہ اوصاف(E-Paper)، ۲۰ دسمبر، ۲۰۱۹ء۔

(۳) عبد الشکور چوہدری، عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل (مقالہ پی ایچ ڈی)، ص ۳۴۲۔

اور جس کو تجارتی میدان میں تعاون درکار ہو اسے بھرپور سہارا دیں تاکہ اس مشترکہ ایوان سے مسلم دنیا کو صنعت و تجارت میں استحکام نصیب ہو۔

۵ - تجارتی و معاشی تحقیقات کا تبادلہ

مسلم ممالک کے مابین تجارتی اشتراک کے فروغ کے لیے تجارتی و معاشی تحقیقات کا تبادلہ نہایت ضروری ہے۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ ایک اعلی سطحی تحقیقی ادارہ قائم کریں جو عالم اسلام کے معاشی حالات کا جائزہ لے کر تاجروں اور سرمایہ کاروں کی مناسب رہنمائی کرے۔ عالم اسلام کے جو ممالک تحقیق، سائنس اور ٹیکنالوجی میں نسبتاً بہتر ہیں انہیں چاہیے دیگر برادر ممالک کے ساتھ نہ صرف تکنیکی و سائنسی اور انتظامی شعبوں میں تعاون کریں بلکہ پیشہ وارانہ تربیت میں بھی ان کی راہنمائی کریں۔ عصر حاضر میں تجارتی ومعاشی تحقیقات کے جلد تبادلہ کے لیے کن ٹولز کی ضرورت ہے، اس حوالے سے عبد الشکور چوہدری یوں رقم طراز ہیں:

> ”اسلامی ممالک کی تنظیم کے زیر انتظام نیوز چینل، بین الاقوامی سطح کے ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن قائم کئے جائیں۔ جو بی بی سی(British Broadcasting Corporation-BBC)، وائس آف امریکہ اورCNN(Cable News Network) کے معیار کے ہوں۔ بین الاقوامی سطح کے اخبار نکالے جائیں۔ ایک ریسرچ اور ٹرانسلیشن بیورو قائم کیا جائے جو ہمہ وقت پوری دنیا میں ہونے والی معاشی واقتصادی تحقیقات اور ترقی سے باخبر رہے“(۱)

۶ - مشترکہ تجارتی اور صنعتی نمائشوں کا اہتمام

آج کے دور میں مقامی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے مناسب تشہیر اور نمائشوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ تجارتی حوالے سے صنعتی نمائشوں کی اہمیت کے بارے میں عبد الشکور چوہدری لکھتے ہیں:

> ”صنعتی نمائش تجارت اور کاروبار کے فروغ میں اہم مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ نمائشوں کا انعقاد بھی products کی تشہیر کا موثر ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نمائشیں(exhibitions) اُن پروڈکس کو متعارف کروانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں جو عام تجارت کا حصہ نہیں ہوتی ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک جاپان، جرمنی اور امریکہ وغیرہ اس سسٹم کو منظم طریقے سے چلا کر قیمتی زرِ مبادلہ کما رہے ہیں۔

---

(۱) ایضاً، ص۴۳۵۔

جرمنی کا شہر ''کولون''(Cologne) جسے نمائشوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ سب سے آگے ہے۔ یہاں سارا سال نمائشیں لگتی رہتی ہیں۔''(۱)

۷ - مسلم دنیا کی مصنوعات کو ترجیح دینا

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب تک مسلم دنیا کی عوام اپنی تیار کردہ مصنوعات پر انحصار نہیں کریں گے اس وقت تک تجارتی اشتراک کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی(۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) عرب دنیا کو عالم اسلام کی مصنوعات استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلاتِ حرب کسی چیز میں بھی وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے نمک خوار نہ ہوں۔''(۲)

مختصر یہ کہ اگر عالم اسلام نے فوری طور پر اپنا الگ تجارتی اقتصادی اشتراک قائم نہ کیا تو یورپ اور امریکہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں یعنی آئی ایم ایف، ورلڈ بنک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے مسلم ممالک کا استحصال کرتے رہیں گے۔ ان عالمی مالیاتی اداروں نے عالم اسلام کو اقتصادی طور پر اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ مسلم دنیا کو علاقائی اور عالمی دونوں سطحوں پر فعال اور متحرک تجارتی اشتراک تشکیل دینے چاہییں تاکہ امت کو اقتصادی استحصال سے بچایا جاسکے۔

☆☆☆☆☆

(۱) ایضاً، ص۴۲۹۔۴۳۰۔

(۲) ایضاً، ص۳۶۲۔

مصادر و مراجع

۱. بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار القلم، بیروت، لبنان۔

۲. حسین محی الدین، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء)، اسلامی نظام تجارت تاریخ کے آئینے میں، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۹ اگست ۲۰۱۱ء۔

۳. حسین محی الدین، ڈاکٹر، مسلم ممالک کے مابین معاشی تعاون کی ناگزیریت، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲ ستمبر ۲۰۱۱ء۔

۴. چوہدری، عبد الشکور، (۲۰۰۷ء)، عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل (مقالہ پی ایچ ڈی)، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

۵. ابو عبید، قاسم بن سلام، (۱۴۰۸ھ)، کتاب الأموال، دار الفکر، بیروت، لبنان

۶. طاہر القادری، ڈاکٹر، (۱۹۹۴ء)، نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، منہاج پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

۷. طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشامی، (۱۹۸۳ء)، المعجم الکبیر، الموصل، مکتبۃ الزہراء، عراق

۸. ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، (۱۴۰۰ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

۹. ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۱۴۰۷ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان

۱۰. مالک، مالک بن انس اصبحی، (۱۴۰۶ھ)، الموطا، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

۱۱. نور محمد غفاری، ڈاکٹر، (۱۹۸۶ء)، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور، پاکستان۔

۱۲. ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک ہشام الحمیری، (۲۰۰۳ء)، السیرۃ النبویہ، دار ابن کثیر، بیروت

13. Zahid Malik, Re-emerging Muslim World, National Book Foundation, Lahore. See article on “Muslim World’s Economic Relations” by Rafique Ahmad

14. https://www.worldometers.info/world-population.

15. https://defence.pk.

16. http://worldpopulationreview.com/countries/muslim-population-by-country/

17. https://financialtribune.com/articles/economy-business-and-markets.

غیر مسلم ممالک سے درآمد اشیاء اور حلال سرٹیفکیشن کی ضرورت واہمیت

(ایک تحقیقی مطالعہ)

Imported goods from non-Muslim Countries and Importance of Halal Certification

☆ ڈاکٹر نعمان انوار

☆☆ حافظ وقاص خان

ABSTRACT

The purpose of this article is to examine the Shari'ah ruling on goods imported from non-Muslim countries. And in the present era, the status of products is known through the process of halal certification. That is why this article describes halal certification, its scope and the procedures and types and contents in detail. However, it is understood that in the current era, there must be a halal certification process to check the permissibility and impermissibility of the products. And the head of the halal certification body must also be a Muslim. Laboratory testing will have the status of an assistant and Muslim countries should have their own scientific laboratories as far as possible. Moreover, the ISO can be approached for administrative reference in legislating halal and any non-Muslim explanation regarding halāl and harām will not be accepted.

Keywords: Permissibility, Non-permissibility, Laboratory, Halal Certification

عصر حاضر میں جہاں عام طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں دین سے دوری، غذائی احکام سے بے توجہی اور عمل میں سستی ایک روش بن چکی ہے وہیں پر اکل و شرب میں حرام اور مشتبہات سے بچنے کا جذبہ بھی سرد پڑتا جارہاہے۔ بالخصوص دیارِ غیر سے درآمد کی جانے والی غذاؤں کو انکے اجزائے ترکیبی (Ingredients) کی حلت و حرمت کی تحقیق اور تفصیل جانے بغیر استعمال کیا جارہاہے حالانکہ غیر مسلم ممالک سے درآمد کی جانے والی غذاؤں میں حلال و حرام اور مشتبہ اشیاء کا خلط ملط ہونا واضح ہے۔

☆ شریعہ بورڈ ممبر، گلوبل حلال سروسز، پاکستان

☆☆ سینئر لیکچرر، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

حلال وحرام کے مسئلے میں غیر مسلم کے کردار واختیار کا شرعی حکم:

موجودہ دور میں حلال انڈسٹری میں اجارہ داری بھی غیر مسلموں کی ہے اور مسلمان بہت سارے اجزائے ترکیبی (Ingredients) باہر کے ممالک سے منگواتے ہیں یا تیار شدہ مصنوعات ہی درآمد کر لی جاتی ہیں تو اس حوالے سے حلال وحرام کے باب میں کیا صرف مسلمان عاقل وبالغ کی خبر ہی معتبر سمجھی جائے گی یا غیر مسلم کی خبر پر اعتبار کیا جائے گا؟

عام طور سے فقہاء نے دینی معاملات کے سلسلہ میں ایک عادل مسلمان کی خبر کو کافی قرار دیا ہے، چنانچہ "فتاویٰ ہندیۃ" میں ہے:

''خبر الواحد يقبل في الديانات كالحل والحرمة والطهارة والنجاسة إذا كان مسلما عدلا ذكرا أو أنثى حرا أو عبدا محدودا أو لا، ولا يشترط لفظ الشهادة والعدد''(۱)

"دینی امور جیسے حلال وحرام، اور پاکی ونجاست کے سلسلہ میں ایک شخص کی خبر مقبول ہے جب کہ مسلمان اور عادل ہو خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، زنا کی تہمت لگانے کے سلسلہ میں سزا یافتہ ہو یا نہ ہو، اور اس میں لفظ شہادت اور عدد شرط نہیں ہے۔"

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''خبر الواحد في باب الديانات مقبول إذا كان عدلا''(۲)

"دینی امور کے باب میں ایک شخص کی خبر مقبول ہے جب کہ وہ عادل ہو"

امام زیلعی حنفی رقمطراز ہیں:

"دینی امور میں کافر کا قول مقبول نہیں، اور اس کا قول تو بس خاص طور سے بوجہ مجبوری معاملات میں قبول کیا جاتا ہے، اور اس لیے بھی قبول کیا جاتا ہے کہ اس کی خبر صحیح ہے، کیونکہ اس کا صدور عقل سے متصف اور ایسے دین کے پیرو شخص سے ہے جس دین میں جھوٹ کے حرام ہونے کا اعتقاد ہے، اور معاملات کے بہ کثرت پیش آنے کی وجہ سے اس کے قول کو قبول کرنے کی سخت ضرورت ہے، اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دینی امور

---

(۱) لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، (۱۳۱۰ھ)، الفتاوى الهندية، دار الفكر، بيروت۔ ۳۰۸/۵

(۲) كاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد، (۱۹۸۶م)، بدائع الصنائع، دار الكتب العلمية، بيروت۔ ۳۰۲/۱

میں مقبول نہیں۔ البتہ معاملات کے ضمن میں دیانات کی کوئی صورت داخل ہو تو اس میں بوجہ ضرورت اس کی خبر قبول کی جائے گی، کیونکہ کتنی ہی چیزیں ضمناً صحیح ہوتی ہیں اور اصالتاً صحیح نہیں ہوتیں، مثلاً تنہا حق شرب کی بیع جائز نہیں ہے لیکن زمین کے تابع ہو کر جائز ہے، اسی طرح یہاں پر اگر کسی کے پاس غیر مسلم خادم یا مزدور ہو اور وہ اس کو گوشت خریدنے کے لیے بھیجے اور وہ کہے کہ میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو اس کے لیے کھانے کی گنجائش ہے، اگر کہے کہ میں نے مجوسی سے خریدا ہے تو اس کے لیے وہ گوشت کھانا جائز نہ ہوگا، اس لیے جب خرید کے معاملے میں اس کی بات قبول کی گئی تو حلت وحرمت کے حق میں بھی ضرورتاً اس کی بات قبول کی جائے گی، جب کہ اصالتاً اگر وہ یہ کہتا کہ یہ حلال ہے یا یہ حرام ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جاسکتی تھی"(۱)

"کفایۃ الاخیار" میں ہے:

"قبلہ کے سلسلہ میں کافر کا قول قطعی طور سے مقبول نہیں، اور ایسے ہی فاسق کا"(۲)

فقہاء کی مذکورہ تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی خبر معاملات میں معتبر ہے، اور دیانات اور حلت وحرمت میں معتبر نہیں ہے، اس لیے حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے، ہاں البتہ اگر معاملات کے ضمن میں دیانات کی بات آتی ہے تو ضمنی طور پر غیر مسلم کی بھی خبر مان لی جاتی ہے۔

فائدہ: مخبر کا خبر دینے کے لیے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں، لہذا اس کی خبر میں تحریر وغیرہ بھی معتبر ہو گی، بشرطیکہ اس تحریر کا مخبر کی طرف سے ہونے کا ظن غالب ہو جائے۔(۳)

غیر مسلموں کی ملکیت ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بارے میں فتاویٰ:

غیر مسلموں کی ملکیت جو ملٹی نیشنل کمپنیاں مارکیٹ کو اپنی مصنوعات سپلائی کرتی ہیں ان کی مصنوعات کے حلال وحرام کے بارے میں عرصے سے اکابر علماء کرام نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ کمپنیاں چاہے کسی مسلمان ملک میں واقع ہوں، اس کا عملہ ملازمین سارے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان کمپنیوں کو غیر مسلموں کی ملکیت کی بنیاد پر غیر مسلم کے حکم میں قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی کھانے پینے کی مصنوعات سے متعلق یہ فتاویٰ موجود ہیں کہ ان کی کھانے پینے کی مصنوعات

(۱) زيلعي، عثمان بن علي بن محجن البارعي، (۱۳۱۳ھ)، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي، القاهرة، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق۔ ۶/ ۱۲

(۲) الشافعی، ابو بکر بن محمد، (۱۹۹۴ء)، کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، دار الخیر، دمشق۔ ص ۹۵

(۳) رشید احمد، مفتی، (۱۴۲۵ھ)، احسن الفتاوی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی۔ ۴/ ۴۱۸ – ۴۲۰

خصوصاً گوشت اور گوشت سے بنی مصنوعات کے بارے میں ان کے دعویٰ کا اعتبار نہیں ہے۔ یعنی یہ کمپنیاں اپنی طرف سے حلال لکھتی ہیں اس کا اعتبار نہیں۔(۱)

غیر مسلم فرد / کمپنی کی طرف سے خود ساختہ دعویٰ کی شرعی حیثیت:

کسی بھی غیر مسلم کمپنی یا فرد کی طرف سے کیا جانے والا خود ساختہ دعویٰ غیر معتبر ہے اور اس کی طرف سے اپنی مصنوعات کو حلال قرار دینا درست نہیں۔(۲)

غیر مسلموں کی خشک خوردنی اشیاء:

خشک خوردنی اشیاء مثلاً؛ پھل فروٹ، اجناس وغیرہ ہر قسم کے غیر مسلم کے ہاتھ کے جائز و حلال ہیں۔ جن اشیاء میں صنعت کی ضرورت پڑتی ہے، ان میں چونکہ ان کے ہاتھ اور برتن کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے بلا ضرورت شدیدہ استعمال نہ کرے، البتہ اگر طہارت کا اور کسی حرام چیز کی عدم شمولیت کا یقین ہو تو پھر استعمال میں حرج نہیں۔(۳)

مشینوں (لیبارٹریز) سے حاصل شدہ معلومات:

لیبارٹری ٹیسٹ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا. پہلی صورت یہ کہ ٹیسٹ میں صرف کسی مصنوع کے اجزائے ترکیبی (Ingredients) یا اجزائے ترکیبی (Ingredients) کا مأخذ معلوم کرنا مقصد ہو اور صرف اسی حد تک رپورٹ تیار کر کے دینا ہو۔

یہ صورت شرعی اعتبار سے معاملات کے زمرے میں آتی ہے اور معاملات میں کسی باعتماد غیر مسلم کی بات شرعاً قابل قبول ہے۔ لہذا ایسا کوئی ٹیسٹ کرنا، اس کی رپورٹ تیار کرنا وغیرہ، مسلمان اور غیر مسلم دونوں فرد یا ادارہ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ فرد یا ادارہ اپنے فن میں ماہر ہو اور اس کی بات یا تحقیق و رپورٹ میں کسی جھوٹ یا سازش کا شبہ نہ ہو۔

---

(۱) حلال سرٹیفکیشن، ص ۲۳۴، غیر مسلموں کے حلال تصدیقی اداروں کی شرعی حیثیت /
https://www.banuri.edu.pk/bayyinat-detail

(۲) حلال سرٹیفکیشن، ص ۹۲

(۳) نصاب الاحتساب، (س۔ن)، الباب العاشر فی الاحتساب فی الاکل و الشرب والتداوی، مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ الطالب الجامعی۔ ص ۱۴۹؛ شفیع، عثمانی، مفتی، (س۔ن)، معارف القرآن، سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ: ۵، کراچی، ادارۃ المعارف۔ ۳/ ۴۹-۵۰

۲. دوسری صورت یہ کہ کسی مصنوع کے اجزائے ترکیبی (Ingredients) یا اجزائے ترکیبی (Ingredients) کا مأخذ معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے حلال یا حرام ہونے کی بنیاد پر رپورٹ تیار کر کے دینا ہو، مثلاً اگر لیبارٹری حلال ٹیسٹنگ کے لیے خاص ہے جیسا کہ حلال سائنس سینٹر تھائی لینڈ (Halal Science Center, Thailand) یا پاکستان کونسل آف سائنٹفِک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (Pakistan Council of Scientific and Industrial Research) کے لاہور یا کراچی میں قائم مراکز میں حلال کے حوالے سے ٹیسٹنگ کرنا۔

یہ صورت شرعی اعتبار سے دینیات یا دیانات کے زمرے میں آتی ہے اور دینیات یا دیانات میں کسی غیر مسلم کی بات شرعاً قابل قبول نہیں۔ لہذا ایسا کوئی ٹیسٹ کرنا اور اس کی رپورٹ تیار کرنا صرف مسلمان فرد یا ادارہ کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ فرد یا ادارہ اپنے فن میں ماہر ہو اور اس کی بات یا تحقیق و رپورٹ میں کسی جھوٹ یا سازش کا شبہ نہ ہو۔(۱)

حلال و حرام کے مسئلے میں ISO کا کردار واختیار:

سوال: کیا انٹر نیشنل آرگنائزیشن فار سٹینڈرڈائزیشن (International Organization for Standardization) یا غیر مسلموں کی ملکیت اوران کی نگرانی میں چلنے والے کسی اور ادارے کو حلال مصنوعات وخدمات کی نگرانی یا معیارات سازی کا اختیار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: ISO کے تحت ایک نئی حلال ٹیکنیکل کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے، جو حلال مصنوعات و خدمات کے حوالے سے بین الاقوامی و عالمی حلال اسٹینڈرز بنائے گی، اس کے علاوہ یہ کمیٹی حلال سرٹیفکیشن کے شعبے میں کام کرنے والے افراد کی اہلیت، حلال مصنوعات وخدمات فراہم کرنے والے اداروں کے لیے مکمل نظام کی ضروریات و تقاضوں کے حوالے مطلوبہ شرائط وضوابط طے کرے گی۔ نیز یہ کمیٹی یہ بھی طے کرے گی کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے حلال معیارات، حلال کے حوالے سے مطلوبہ فنی مہارتیں، لیب ٹیسٹ کے طریقے، حلال مصنوعات وخدمات کی سرٹیفکیشن، انسپکشن، آڈٹ وغیرہ تمام متعلقہ امور و سرگرمیوں کا بہترین عملی طریقہ کار، پالیسی اور رہنما اصول کیا ہیں؟

یہ کمیٹی یہ بھی طے کرے گی کہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حلال مارکیٹ کی نگرانی کا طریقہ کار اور کسی غلطی یا خلاف ورزی کی صورت میں اصلاح ودرستگی کی قابل عمل صورت کیا ہوگی؟

---

(۱) حلال سرٹیفکیشن، ص۱۹۸-۱۹۹

ISO کے ماتحت اس حلال ٹیکنیکل کمیٹی کے حوالے کی جانے والی حلال مصنوعات و خدمات میں مسلمانوں کے حلال و حرام سے متعلق مأکولات، مشروبات، ادویات، کاسمیٹکس، مالیات، سفر، سیر و تفریح وغیرہ زندگی کے تمام وہ شعبے شامل ہیں، جن میں حلال و حرام کا مسئلہ پیش آسکتا ہو۔

اسے حوالے سے معتدل رائے یہ ہے کہ عالمی معیارات بنانے والے ادارے ISO جس کا ہیڈکوارٹر جنیوا سویٹزرلینڈ میں ہے، اور جو غیر مسلموں کی نگرانی میں کام کرنے والا ایک غیر سرکاری ادارہ ہے۔ اور پوری دنیا میں ISO کے معیارات رائج ہیں، اس ادارے کی خدمات اور فنی مہارتوں کا انکار ممکن نہیں۔ گو کہ حلال کے معیارات میں بھی ISO کے تجربے اور فنی اصولوں سے کافی حد تک استفادہ کیا گیا ہے۔

لیکن دراصل ISO جو کہ غیر مسلوں کا ادارہ ہے اور غیر مسلموں کی مکمل نگرانی و اختیار میں کام کرتا ہے، ایسے ادارے کو حلال کے حوالے سے مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ مکمل اختیار دینا اس بات کے مترادف ہے کہ غیر مسلموں کی نگرانی میں مسلمانوں کا مکمل مذہبی نظام حوالے کیا جائے، اور وہ غیر مسلم پھر جب اور جیسا چاہے، مسلمانوں کے دین وایمان سے کھیلنا شروع کردے، ہماری دنیا اور آخرت کو برباد کردے، ہمارے اخلاقی نظام کو داؤ پر لگادے۔

مزید یہ کہ یہ بات سب کو بخوبی معلوم ہے کہ حلال کے حوالے سے معیار سازی یا کوئی اور راہنما اصول تیار کر دینا دین کی تشریح کا نام ہے اور کسی بھی مذہب کی تشریح کا حق اس مذہب اور اس کے ماننے والوں کا حق ہے، شریعت کی نظر میں بھی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا خالص مذہب اسلام کا اختیار ہے اور کسی غیر مسلم کو حق دینا شرعاً ناجائز ہے۔

یہ بات بھی بالکل فطرت کے مطابق ہے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے لیے حلال کے لیے متفقہ معیار بنانے میں وقت لگے گا، بلکہ احتیاط کا تقاضا بھی یہ ہے کہ پوری تسلی کے ساتھ اس پر غور و فکر اور کام ہونا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی میں کوئی معیار تیار کیا جائے اور بعد میں خود مسلمان اس کے ماننے کے لیے تیار نہ ہوں۔

مفتی عارف علی شاہ لکھتے ہیں کہ:

مقالہ نگار کی رائے میں ISO کو حلال کے حوالے سے کوئی بھی کردار و اختیار دینا شریعت کی رو سے ناجائز ہے اور اس حوالے سے کسی غیر مسلم یا اس کے ماتحت کسی ادارے کو مسلمانوں کے دین و مذہب کا اتنا تفصیلی اختیار و کردار دینے کے تصور سے ہی رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلے کا آسان اور قابل عمل حل یہ ہے کہ بین الاقوامی اسلامک ممالک کی تنظیم (Organization of Islamic Countries) اور اس کے ماتحت پہلے سے تشکیل شدہ ادارے **سمِک** (The Standards and Metrology Institute for Islamic Countries) کو تمام مسلمان ممالک کی طرف سے مکمل سپورٹ کے ساتھ یہ حقیقی اختیار دے دیا جائے کہ وہ جلد از جلد کوشش کرے کہ حلال کے لیے عالمی معیارات اور تمام متعلقہ ضروری دستاویزات تیار کرے۔

واضح رہے کہ اس ادارے میں تمام اسلامی ممالک اور فقہی مسالک کی نمائندگی موجود ہے اور اس ادارے نے اس حوالے سے ابتدائی طور پر کچھ کام بھی کیا ہے جس پر غور و فکر اور نظر ثانی کی ضرورت ہے۔(۱)

مقالہ نگار کی رائے:

مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ حلال معیارات کی تشکیل میں انتظامی حوالے سے **ISO** کے تجربے سے استفادہ کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہاں البتہ جہاں بات ہو قرآن و سنت کی یا اس سے مستنبط مسائل کی تو شریعت اس بات کی بلکل اجازت نہیں دیتی کہ کوئی غیر مسلم ادارہ یا تنظیم اس کی تشریح و توضیح کرے اور عالمی حلال اسٹینڈرڈ بنائے۔

حلال سرٹیفیکیشن / (Halal Certification):

صارفین (Consumers) کے لیے ہر ایک اجزائے ترکیبی (Ingredients) کی تحقیق کرنا کہ:

- اس کا مأخذ (Source) کیا ہے؟
- حلال ہے یا حرام؟
- اور اگر حلال جانور ہے تو کیا اسے شرعی طریقے سے ذبح بھی کیا گیا یا نہیں؟
- آیا مصنوعات میں کوئی حلال جانور کا حرام جز تو شامل نہیں؟
- آیا مصنوعات میں خنزیر (Pig) کا گوشت یا جیلاٹین (Gelatin) تو شامل نہیں کر دی گئی؟
- آیا مصنوعات میں کوئی رنگ تو ایسا شامل نہیں جو کیڑوں (Insects) سے کشید کیا گیا ہو؟
- آیا مصنوعات میں کوئی ایسی حلال چیز تو شامل نہیں جسے حاصل کرنے میں حرام کیمیکل (الکوحل) کا استعمال کیا گیا ہو؟
- آیا حرام شے میں استحالہ (Change of State) تو نہیں ہو گیا؟
- آیا کوئی حلال شے مضرت کی وجہ سے تو حرام نہیں؟
- آیا کسی بھی غذائی شے کی تیاری میں ابتدا سے لے کر انتہاء تک حلت و حرمت کے عمومی قواعد کو ملحوظ رکھا گیا یا نہیں؟

---

(۱) اشیاء میں اصل اباحت کے تناظر میں درآمد شدہ اشیاء کا حکم، (س۔ن)، شعبہ نشر و اشاعت، حلال فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان۔ حلال سرٹیفیکیشن، ص ۳۰۶-۳۱۲ (نیز مذکورہ سوال کے حوالے سے ایک ای میل PNAC(Pakistan National Accreditation Council) کو ISO کی جانب سے موصول ہوئی جو کہ مذکورہ صفات میں درج ہے اور پھی اسی حوالے سے جواب کی تفصیل لکھی گئی): http://www.iso.net.pk/services/halal؛https://ace-consultants.net/halal

بہت مشکل ہے اور نہ ہی شریعت میں عامۃ الناس کے لیے تنگی اور مشکل کو روا رکھا گیا ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ صارفین کی سہولت کے پیش نظر صانعین(Manufacturers) غیر مسلم ممالک سے درآمد اشیاء کی حلت و حرمت کی تعیین کے لیے اپنی مصنوعات کو مسلم حلال اداروں/اتھارٹیز سے سرٹیفائیڈ کروائیں تاکہ صارفین (Consumers)کے لیے درآمدی اشیاء کے استعمال کرنے اور کھانے پینے میں سہولت پیدا ہو سکے۔ مزید برآں یہ کہ ہر مسلم ممالک میں حلا ل اسٹینڈرز/معیارات(جیسے پاکستان میں [1]PS-3733) بن چکے ہیں اور حلال اتھارٹیز/سرٹیفیکیشن باڈیز کسی بھی چیز کو حلال سرٹیفائیڈ کرنے کے دوران ان معیارات کو بھی مد نظر رکھتی ہے۔

حلال سرٹیفیکیشن سے کیا مراد ہے؟

"A halal certificate is a document issued by an Islamic organization certifying that the products listed on it meet Islamic dietary guidelines, as defined by that certifying agency."[2]

"حلال سرٹیفیکیٹ وہ دستاویز ہے جو ایک مسلم تنظیم کی جانب سے جاری کی جائے اور اس میں اس بات کی تصدیق کی جائے کہ اس غذائی شے میں جن چیزوں کی فہرست دی گئی ہے وہ ان اسلامی تغذیہ ہدایات کے مطابق ہیں جن کی تعبیر و تشریح سرٹیفیکیٹ دینے والے ادارے کی جانب سے کی گئی ہے۔"

"Halaal certification is a process which ensures the features and quality of the products according to the rules established by the Islamic Council that allow the use of the mark Halaal. It is mainly applied to meat products such as milk, canned food and additives"[3]

"حلال سرٹیفیکیشن ایسا عمل ہے جو کہ مصنوعات کے معیار اور خصوصیات کو اسلامی کونسل کی طرف سے قائم کردہ اصولوں کے مطابق یقینی بناتا ہے اور یہی وہ عمل ہے جو مصنوع کے اوپر حلال کا نشان استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ عمل زیادہ تر گوشت کی مصنوعات، دودھ، ڈبہ بند خوراکی اشیاء اور خوراک کے اضافی عناصر میں لاگو کیا جاتا ہے۔"

(1)PSQCA. PS: 3733-2019; Pakistan Standard specification for halal food management systems requirements for any organization in the food chain, Karachi,2019

(2) Mian, N.Riaz, Muhammad, (2003), Halal Food Production, London, CRC Press, Boca Raton. p 165

(3)www.szutest.com/halal-certification

موجودہ دور میں تو حلال سرٹیفیکیٹ کا عمل اس حد تک پروان چڑھ چکا ہے کہ صانعین اپنی ہر ایک مصنوع کو حلال سرٹیفائیڈ کروارہے ہیں جس کی بڑی وجہ حلال مصنوعات کی بڑھتی ہوئی مارکیٹ ہے۔

فائدہ: کوئی مسلمان، کوئی اسلامی تنظیم یا ایجنسی حلال سرٹیفیکیٹ جاری کر سکتا ہے۔[(۱)]

حلال سرٹیفیکیشن کا دائرہ کار:

ماکولات، مشروبات، ادویات اور کاسمیٹکس سے متعلق حلال انڈسٹری کی ہر وہ چیز جو انسانی جسم کے داخلی یا خارجی استعمال میں آتی ہو، اور وہ چیز ان اشیاء سے نہ ہو جو اصلاً حلال ہیں، یا وہ چیزیں اصلاً تو حلال ہیں لیکن اپنی اصلی حالت میں استعمال نہ ہوتی ہو، بلکہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں ملا دی جاتی ہوں، اور یہ اضافی چیزیں یقیناً یا غالب گمان کے درجے میں حرام یا قوی درجے کے مشکوک ہوں، تو ایسی تمام اشیاء کی حلال سرٹیفیکیشن ضروری ہے، بشرطیکہ سرٹیفیکیٹ کے علاوہ مسلمان کے پاس حلال کے اطمینان کے حصول کے لیے کوئی اور قابل اعتماد شرعی ذریعہ نہ ہو[(۲)]۔

حلال سرٹیفیکیٹ کی انواع:

حلال سرٹیفیکیٹ کی تاحال مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱ - متعلقہ مقام کے رجسٹریشن کا سرٹیفیکیٹ (Registration of a site certificate):

اس نوعیت کے سرٹیفیکیٹ کے تحت یہ بتایا جاتا ہے کہ غذائی اشیاء تیار کرنے والے پلانٹ، فیکٹری، مذبحہ اور ان غذاؤں کو تیار کرنے سے متعلق دیگر مقامات کی جانچ کر لی گئی ہے اور انہیں ان حلال غذائی اشیاء کی فراہمی اور فروخت کی منظوری دی جاتی ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس فیکٹری میں تیار ہونے والی تمام غذائی اشیاء کو حلال سرٹیفیکیٹ دے دیا گیا ہے، کسی متعلقہ مقام کے بارے میں جاری کردہ سرٹیفیکیٹ غذائی اشیاء کے حلال سرٹیفیکیٹ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔

۲ - کسی مخصوص غذائی اشیاء کو ایک مخصوص مدت کے لیے حلال سرٹیفیکیٹ:

(Halal certificate for a specific product for a specific duration)

اس سے مراد یہ ہے کہ متعلقہ غذائی اشیاء کے سلسلے میں ان ہدایات کی پابندی کی جانی چاہیے جو حلال سرٹیفیکیٹ دینے والے ادارے نے مرتب کی ہیں، اس نوعیت کا سرٹیفیکیٹ کسی خاص مدت کے لیے یا کسی خاص

---

(1) Halal Food Production, p 166

(۲) شاہ، عارف علی، مفتی، (۲۰۱۵ء)، حلال سرٹیفیکیشن (شریعت کی روشنی میں)، ادارۃ النور، کراچی۔ ص ۱۱۶
https://halalcertification.ie/scopes-of-certification

مقدار کی غذائی اشیاء کے لیے جاری کیا جاسکتا ہے جو کسی مخصوص سپلائی یا درآمد کے لیے تیار کی جائے۔ اگر یہ سرٹیفیکیٹ کسی مخصوص مقدار کے لیے ہے تو اسے بیچ سرٹیفیکیٹ (Batch certificate) یا جہاز کے ذریعہ بھیجی جانے والی غذائی اشیاء کے بارے میں سرٹیفیکیٹ کہا جاسکتا ہے، گوشت اور پولٹری سے متعلق غذائی اشیاء جن کے لیے بیچ (Batch) یا بھیجے جانے والے سامان کا سرٹیفیکیٹ دینا ہوتا ہے انہیں عموماً بیچ سرٹیفیکیٹ دیا جاتا ہے۔

۳ - سالانہ سرٹیفیکیٹ(Yearly certification):

سالانہ جانچ اور حلال سرٹیفیکیٹ جاری کیے جانے کی فیس ادا کرنے پر یہ (Renew) کیا جاتا ہے۔[1]

حلال سرٹیفیکیٹ کے مندرجات:

بعض حضرات نے حلال سرٹیفیکیٹ کے مندرجات میں درج ذیل اشیاء کی رعایت ضروری قرار دی ہے:

- مصنوع مذکور میں کسی بھی حرام شے کی آمیزش نہیں ہے۔
- اس کی تیاری میں حرام چربی وغیرہ کا استعمال کسی بھی غرض سے نہیں ہوا ہے۔
- اگر لحمی اجزاء پائے جاتے ہیں تو حلال جانور کے ہیں جن کو شریعت کے ضابطہ کے مطابق ذبح کیا گیا ہے۔
- حلال جانور کا کوئی ایسا جزو بھی شامل نہیں ہے جس کا کھانا جائز نہیں ہے۔
- اگر حرام جزو یا حرام لحمی اجزاء سے بنانے میں مدد لی گئی ہے تو اس کی ماہیت و حقیقت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔[2]

کن مصنوعات کو سرٹیفیکیٹ دیا جاسکتا ہے؟

ایسی غذائی مصنوعات جنہیں مسلمان استعمال کرتے ہوں انہیں سرٹیفیکیٹ دیا جاسکتا ہے، خواہ یہ اشیاء اندرونی طور پر استعمال ہوں یا جسم پر انہیں لگایا جاتا ہو، متعدد ممالک میں ایسی مصنوعات جو بطور دوا استعمال کی جاتی ہوں ان کے لیے سرٹیفیکیٹ درکار نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ اس میں حساس ہیں وہ ان دواؤں کے اجزاء میں حلال اشیاء کو دیکھتے ہیں لہٰذا اگر دواؤں پر بھی حلال سرٹیفیکیٹ ہو تو بہتر ہوتا ہے۔[3]

---

(1)Halal food production, p 166-167

(2) https://halalcs.org/en/halal-certification-procedure-2;
http://iso.net.pk/services/halal.php

(3)Halal food production, p 167

حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کا عمل:

حلال وحرام کو شریعت میں اساسی حیثیت حاصل ہے اسی لیے سرٹیفیکیشن کے عمل کو ممکنہ حد تک معیاری اور آسان بنانے کی کوشش کی گئ ہے تاہم اس عمل کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ کار لازم ہے:

- درخواست
- فیکٹری اور حلال کا عمل
- جانچ کے لیے میٹنگ
- طریقہ کار کی سفارش
- مرکبات کی تبدیلی
- فیکٹری کی منظوری
- مصنوعات کی جانچ
- تیار کرنے کے عمل کی جانچ پیچ کا عمل
- مجموعی عمل
- سالانہ سرٹیفیکیٹ کا اجراء(آڈٹ)
- ادارے کو بھیجا گیا ریکارڈ
- ریکارڈ کی جانچ(۱)

مسلم اور غیر مسلم ممالک میں حلال سرٹیفیکیشن کی اہمیت:

جو چیزیں مسلمان ممالک میں مقامی طور پر مسلمان خور تیار کرتے ہیں، مثلاً مسلمان ذابحین مقامی طور پر خود جانور ذبح کرتے ہیں یا مأکولات، مشروبات، ادویات اور کاسمیٹکس سے متعلق دوسری اشیاء تو ایسی چیزوں کی حلال سرٹیفیکیشن ازروئے شریعت ضروری نہیں، لیکن اگر مسلمان ممالک میں مأکولات، مشروبات، ادویات اور کاسمیٹکس سے متعلق اشیاء غیر مسلم ممالک سے درآمد ہوتی ہیں یا وہ مسلمان صانعین مسلم ممالک میں تیار تو کرتے ہیں لیکن ان چیزوں کے اجزائے ترکیبی(Ingredients) غیر مسلم ممالک سے درآمد ہوتے ہوں اور ان اجزاء میں یقیناً یا غالب گمان کے درجے میں حرام یا قوی درجے کے مشکوک ہوں، تو ایسی تمام اشیاء کی حلال سرٹیفیکیشن ضروری ہے، بشرطیکہ سرٹیفیکیٹ کے علاوہ مسلمان کے پاس حلال کے اطمینان کے حصول کے لیے کوئی اور قابل اعتماد شرعی ذریعہ نہ ہو۔ اور اس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کے درمیان کوئی فرق نہیں۔(۲)

عالمی حلال ادارے:

حلال کو تسلیم کرنے کے بارے میں چند عالمی سطح کے ادارے مندرجہ ذیل ہیں:

- جیاتن کیمن جوان اسلام ملیشیا(JAKIM) ملیشیا
- مجلس علماء انڈونیشیا(MUI) انڈونیشیا

---

(1) Ibid, p 170
https://halalcertification.ie/certifications/halal-certifications-procedure/

(۲) حلال سرٹیفکیشن، ص۱۱۷؛ https://halalcertification.ie/certifications/why-halal-certification

- مجلس او گانا اسلام سنگاپور (MUIS)
- مسلم ورلڈ لیگ (MWL) سعودی عرب[۱]
- منہاج حلال سرٹیفکیشن، منہاج یونیورسٹی، لاہور

وطنِ عزیز کی معروف دانش گاہ ''منہاج یونیورسٹی'' نے حال ہی میں ایک مستقل شعبہ ''حلال سرٹیفکیشن'' کے نام سے قائم کیا ہے۔ جو متعلقہ موضوع پر شرعی معیارات کے مطابق پاکستان میں رہنمائی کا فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔

حلال سرٹیفکیٹ کے نشان کا استعمال:

جب مصنوعات کو حلال سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے تو اس چیز کے پیکٹ پر ایک خاص نشان چھاپ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر امریکہ کی اسلامی کونسل برائے خوراک اور تغذیہ (IFANCA) ہرے رنگ کے "ایم" نشان کا استعمال کرتی ہے، اس سے مراد ہے کہ یہ مسلمانوں کے لیے بہتر (قابل قبول) ہے، تاہم اگر غذائی مصنوعات میں سے کسی پر کسی مشہور ادارے کی جانب سے حلال سرٹیفکیٹ کا نشان ہو تو مسلمان اسے زیادہ رغبت سے قبول کرتے ہیں۔ (۲)

اس طرح کسی با اختیار ادارے کی جانب سے جاری کردہ سرٹیفکیٹ سے خریدار کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ دیار غیر سے آئی ہوئی سرٹیفکیٹ حاصل شدہ مصنوعات میں:

- کوئی ایسی شے یا مرکب شامل نہیں ہے جس کا کھانا مسلمانوں کے لیے ازروئے شرع جائز نہ ہو اور اس غذائی مصنوعات کو شرعی طریقہ سے ذبح بھی کیا گیا ہے۔
- کوئی ایسا مرکب شامل نہیں ہے جو شریعت کے تحت ممنوع ہو۔
- اسے ایسے آلات یا مشین کے ذریعہ تیار نہیں کیا گیا جو شریعت کے معیار کے مطابق جائز نہ ہو۔

---

(۱) غذائی مصنوعات کا حکم اور حلال سرٹیفکیٹ کا اجراء شرعی اصول اور شرائط و معیارات، (۲۰۱۶ء)، نئی دہلی، جامعہ نگر، ایفا پبلیکیشنز ص ۴۹۶

(2)Halal Food Production,p169

- اس کی تیاری، بنانے یا اسٹور کرنے کے درمیان اسے کسی ایسی شے کے قریب یا اس کے ساتھ نہیں رکھا گیا جو شرعاً ممنوع ہو۔(۱)

حلال مصنوعات کی تصدیق کرنے والے ادارہ کا تشکیلی ڈھانچہ:

حلال مصنوعات کی تصدیق جاری کرنے والا ادارہ اسلامی ملکوں میں ہوں اور حکومت اس کی نگرانی کرے اور اس ادارہ میں علماء اور ماہرین کے وفود کو حکومت بھیجے اور وہ انتظامیہ سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ وہ شریعت کے موافق کام کریں اور ان کو طریقہ کار سمجھائیں اور اس سلسلہ میں شرعی ہدایتوں کی وضاحت کریں اور اس ادارہ کی نگرانی کے لیے ایسے غیرت مند مسلمان مقرر کیے جائیں کہ جب تک ان کو مکمل طور پر حلت کا یقین نہ ہو جائے وہ اس ادارہ کو سرٹیفیکیٹ جاری نہ کریں، نیز مصنوعات کی تصدیق اجمالی طور پر نہ ہو بلکہ حلال ہونے کی پوری وجہ لکھی جائے کہ یہ چیز فلاں فلاں چیز سے اس طریقہ پر تیار کی گئی ہے اور فلاں آدمی نے تیار کیا ہے، اور غیر مسلم ممالک کے ایسے اداروں کو بھی اجمالی تصدیق سے روکنے کی کوشش کی جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کی مصنوعات سے احتراز کیا جائے جب تک حلت کا یقین نہ ہو جائے، اور مسلم تنظیمیں ایسے ادارہ کے مالکان کو اکٹھا کر کے مسئلہ کی نزاکت کو سمجھائیں اور اس کی اہمیت کو باور کرائیں ورنہ مسلمانوں کا خاص ادارہ ہو جو مسلمانوں کے لیے اسلامی طریقہ پر کام کرے(۲)۔

خلاصۂ کلام:

غیر مسلم ممالک سے درآمد اشیاء کی جانچ پڑتال کے لیے موجودہ دور میں حلال سرٹیفیکیشن کا ہونا لازم ہے، اور حلال سرٹیفیکیشن جاری کرنے والے ادارے کے سربراہ کا مسلمان ہونا بھی لازم ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹنگ کی حیثیت ایک معاون کے طور پر ہوگی اور مسلم ممالک کے پاس حتی الوسع اپنی سائنسی لیبارٹریز ہونی چاہیے۔ حلال معیارات کی قانون سازی میں انتظامی حوالے سے ISO سے رجوع کیا جاسکتا ہے البتہ حلال و حرام کے حوالے سے کسی بھی غیر مسلم کی تشریح وتوضیح کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) غذائی مصنوعات کا حکم اور حلال سرٹیفکیٹ کا اجراء شرعی اصول اور شرائط ومعیارات، ص۴۹۸

(۲) نفس المصدر، ص۵۵۲

مصادر و مراجع

۱. اشیاء میں اصل اباحت کے تناظر میں درآمد شدہ اشیاء کا حکم، (س۔ن)، شعبہ نشر واشاعت، حلال فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان۔ حلال سرٹیفکیشن

۲. رشید احمد، مفتی، (۱۴۲۵ھ)، احسن الفتاوی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی

۳. زیلعی، عثمان بن علي بن محجن البارعي، (۱۳۱۳ھ)، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشلبي، القاهرة، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق

۴. شافعی، ابو بکر بن محمد، (۱۹۹۴ء)، کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، دار الخیر، دمشق

۵. شاہ، عارف علی، مفتی، (۲۰۱۵ء)، حلال سرٹیفکیشن (شریعت کی روشنی میں)، ادارۃ النور، کراچی

۶. شفیع، عثمانی، مفتی، (س۔ن)، معارف القرآن، سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ، ۵، کراچی، ادارۃ المعارف

۷. غذائی مصنوعات کا حکم اور حلال سرٹیفیکیٹ کا اجراء شرعی اصول اور شرائط ومعیارات، (۲۰۱۶ء)، نئی دہلی، جامعہ نگر، ایفا پبلیکیشنز

۸. کاسانی، علاء الدین، أبو بکر بن مسعود بن أحمد، (۱۹۸۶م)، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۹. لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین البلخي، (۱۳۱۰ھ)، الفتاوی الھندیۃ، دار الفکر، بیروت

۱۰. نصاب الاحتساب، (س۔ن)، الباب العاشر فی الاحتساب فی الاکل والشرب والتداوی، مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ الطالب الجامعی

11. Mian, N.Riaz, Muhammad, (2003), Halal Food Production, London, CRC Press, Boca Raton.
12. PSQCA. PS: 3733-2019; Pakistan Standard specification for halal food management systems requirements for any organization in the food chain, Karachi,2019
13. www.szutest.com/halal-certification
14. http://www.iso.net.pk/services/halal
15. https://halalcertification.ie/scopes-of-certification
16. Halal food production, p 166-167
17. https://halalcs.org/en/halal-certification-procedure-2;
18. http://iso.net.pk/services/halal.php
19. https://halalcertification.ie/certifications/halal-certifications-procedure/
20. https://halalcertification.ie/certifications/why-halal-certification
21. https://www.banuri.edu.pk/bayyinat-detail

غذائے نبوی ﷺ میں دودھ کا استعمال

اور جدید علمِ غذائیت میں اس کی افادیت

Milk in the Prophetic diet and its benefit according to the modern science of nutrition

☆نادیہ عالم

ABSTRACT

Consumption of milk as a food item and its products by the Prophet (ﷺ) is evident from many sources. Prophet (ﷺ) not only used to like drinking milk rather prayed for its abundance as well. Owing to its various nutrients, milk is regarded as a complete food in human diet. It is especially important for children. The fact that milk is the very first food consumed by all humans and animals, further highlights its importance in diet. Because its nutritional value, milk contains many important nutrients, including abundant water, proteins, carbohydrates, fats, important minerals and vitamins. Thus except Iron, milk contains all the essential ingredients that not only support growth in childhood but maintain health and strength at later stages of life too. This article discusses the animals whose milk was consumed by Prophet (ﷺ) and the useful ingredients found in their milk, the need of milk for human beings, and the usefulness and importance of milk and other important products like curd, buttermilk, butter, cheese and ghee in modern nutrition?

Keywords: Milk, Islam, Nutrition, Product

دودھ انسان کی اولین غذا ہے۔ پھر جب سے انسان کو مویشی پالنے کی سمجھ آئی انہوں نے ان کے دودھ سے فائدہ اٹھانا بھی سیکھ لیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر جنت میں دودھ کی ایسی نہروں کا ذکر آیا ہے جن کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہو گا۔ سورۃ النحل میں دودھ کا ذکر اور اس کی صفات کا بیان: ﴿لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾(۱)"یعنی ایسا لذیذ دودھ جو پینے والوں کے حلق سے بغیر کسی کوشش سے یا آسانی سے اتر جانے والا ہے" کے الفاظ سے کیا ہے۔ نبی

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، لاہور یونیورسٹی، لاہور

(۱) سورۃ النحل، ۱۶/ ٦٦

کریم ﷺ کو دودھ بہت پسند تھا۔ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ:"کان رسول اللہ ﷺ یحب اللبن"رسول اللہ ﷺ کو دودھ پسند تھا" حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ''(۱)

"جب شبِ معراج کو نبی کریم ﷺ کو پانی شراب اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا۔ جس پر آپ ﷺ کے اس فعل کو حضرت جبریل نے (بہت پسند کیا اور) کہا کہ اللہ تعالیٰ کی شکر ہے جس نے آپ کی فطرت پر راہنمائی فرمائی۔ اگر آپ ﷺ شراب کو منتخب فرماتے تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی"

آپ ﷺ نے تمام غذاؤں میں صرف دودھ پینے کے بعد اس میں برکت اور اضافے کی دعا فرمائی کیونکہ آپ ﷺ کے نزدیک کوئی اور غذا دودھ سے افضل نہیں۔ آپ ﷺ نے امت کو اس دعا کی تعلیم بھی فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَطْعَمَهُ اللَّهُ طَعَامًا، فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ، وَارْزُقْنَا خَيْرًا مِنْهُ، وَمَنْ سَقَاهُ اللَّهُ لَبَنًا، فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ، وَزِدْنَا مِنْهُ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ مَا يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، إِلَّا اللَّبَنُ''(۲)

"جس کو اللہ تعالیٰ کھانا کھلائے تو اسے کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس (کھانے) میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر روزی عطا فرما اور جسے اللہ تعالیٰ دودھ پلائے تو اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے کہ اے اللہ! تو ہمارے لیے اس (دودھ) میں برکت عطا فرما اور مزید عطا کر، کیونکہ دودھ سوا مجھے کسی اور چیز کا علم نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کے لیے کافی ہو"

دودھ انسانی جسم کے لیے ایک مکمل غذا ہے۔ اس میں انسانی ضرورت کے تقریباً وہ تمام اہم اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ جن سے جسم صحت مند رہ سکتا ہے اور اس کی درست نشو و نما ہو سکتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جن علاقوں کے لوگ دودھ زیادہ استعمال کرتے ہیں ان کی عمریں لمبی ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جن مختلف جانوروں کا دودھ نوش فرمایا

---

(۱) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، دار ابن کثیر، یمامہ۔ ۴/۱۷۴۳، رقم: ۴۴۳۲

(۲) ابن ماجہ، محمد بن یزید، (س۔ن)، دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ۔ ص ۱۱۰۳، رقم الحدیث: ۳۳۲۲۔

ہے، ان میں بکری، گائے اور اونٹ شامل ہیں۔ ابن قیم طب نبوی ﷺ میں دودھ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بظاہر یہ بسیط (سادہ / غیر مرکب) معلوم ہوتا ہے۔ مگر در حقیقت یہ تین چیزوں یعنی، پنیر، گھی اور پانی سے مرکب ہوتا ہے۔ یعنی چکنائی دودھ کا ایک اہم جز ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر خالد غزنوی بخاری و مسلم سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ، وَقَالَ: إِنَّ لَهُ دَسَمًا[1] ردی، للحموم وذی الصداع''[2]

'' نبی ﷺ نے دودھ پیا اور اس کے بعد کلی کی اور فرمایا کہ اس کی چکنائی ہوتی ہے، جو بخار کے مریضوں اور سر درد والے کے لیے بے فائدہ ہے۔''

دودھ کے فوائد و نقصانات کے بارے میں ابن قیم لکھتے ہیں: دودھ عمدہ خون پیدا کرتا ہے، خشک جسم کو شاداب بناتا ہے، بہترین غذائیت مہیا کرتا ہے۔۔۔ شہد ملا کر پینے سے اندرونی زخموں کو متعفن اخلاط سے بچاتا ہے، شکر کے ساتھ پینے سے رنگت نکھارتا ہے، سینے اور پھیپھڑے کے لیے موافق ہے، سَبَل (آنکھ کی بیماری جس میں آنکھ پر پردہ پڑ جاتا ہے / موتیا) کے مریضوں کے لیے عمدہ غذا ہے البتہ سر، معدہ، جگر اور تلی کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس کا زیادہ استعمال دانتوں اور مسوڑوں کے لیے نقصان دہ ہے، اسی لیے دودھ پینے کے بعد کلی کرنا چاہیے۔[3] فوائد کے لحاظ سے سب سے اچھا دودھ بکری کا اس کے بعد گائے اور پھر اونٹنی کا ہوتا ہے۔ دودھ کی عمدہ ترین حالت یہ کہ اسے تازہ دوہا گیا ہو۔ ڈاکٹر خالد غزنوی دودھ کے بارے میں لکھتے ہیں: دودھ کی اچھائی کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر وہ جانور جس کی مدتِ حمل انسان سے زیادہ ہو اس کا دودھ مفید نہیں ہوتا۔ دودھ پینے سے پیٹ کی تیزابیت کم ہوتی ہے، طاقت میں اضافہ ہو گا، دماغ کو طاقت دیتا اور وہموں کو دور کرتا ہے لیکن پیٹ میں نفخ پیدا کرتا ہے۔ اگر اس میں چینی ملائی جائے تو چہرے کی رنگت نکھارتا ہے۔ جلد پر حساسیت سے پیدا ہونے والی خارش دور کرتا ہے، جھلیوں کو طاقت دیتا ہے اس لیے استسقاً (پیٹ میں پانی پڑنا) میں مفید ہے۔[4]

(۱) مسلم، مسلم بن حجاج، (س۔ن)، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ص۱۶۹، رقم الحدیث: ۳۵۸۔

(۲) خالد غزنوی، (ڈاکٹر)، (س۔ن)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور۔ ۲/ ۱۷۲۔

(۳) ابن القیم، ابو عبد اللہ ابن القیم، (س۔ن)، طب نبوی، اسلامی کتب خانہ، لاہور۔ ص ۵۰۳۔

(۴) خالد غزنوی، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۱۷۷۔

دودھ اپنے اثرات میں معتدل ہوتا ہے۔اس لیے تیزاب یا زہر خوانی کے مریض کو دوائی کی نوعیت جانے بغیر بھی دودھ پلا دینا ایک مفید عمل ہے۔کیونکہ یہ تیزاب اور الکلی دونوں کو ختم کرتا ہے۔دودھ میں لحمیات، اور نشاستے کے علاوہ کچھ معدنیات نمکیات کی شکل میں مثلاً کیلشیم فاسفیٹ، کیلشیم کلورائڈ، میگنیشیم فاسفیٹ، سوڈیم اور پوٹاشیم کے سائیٹریٹ شامل ہوتے ہیں۔اس میں حیاتین کی مقدار جانور کے چارے کے مطابق ہوتی ہے۔سبز چارہ کھانے والے جانوروں کے دودھ میں حیاتین الف، ب، ج اور د موجود ہوتے ہیں۔دودھ کو کھلی کڑاہی میں زیادہ کاڑھنے سے اس کے حیاتین الف اور ب تلف ہو جاتے ہیں۔گائے اور بھینس کے دودھ میں فولاد (آئرن) نہیں پایا جاتا۔اس لیے اگر کسی کی غذا کا دارومدار لمبے عرصے تک صرف ان کے دودھ پر ہو تو اس میں خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

دل، گردہ اور جگر کے مریضوں کے جسم پر ورم آنے کے بعد غذائی پابندیاں لگتی ہیں۔ان بیماریوں میں دودھ ایسی غذا ہے جو پورے اطمینان سے دی جا سکتی ہے۔جب ذیابطس کے مریضوں میں علاج کے باوجود شکر کی مقدار کم نہ ہو رہی ہو تو ایک آزمودہ طریقہ یہ ہے کہ چند ایسے مریضوں کو صرف دودھ ہی دیا جائے۔کچھ ہی دنوں میں شکر کی مقدار کم ہونے لگتی ہے۔پھر جب شکر کی مقدار اعتدال پر آجائے تو پھر آہستہ آہستہ غذا میں ایک ایک چیز شامل کر کے مشاہدات کے ساتھ پتہ لگایا جاتا ہے کہ کون سی چیزیں لینے سے مریض کی شکر حد کے اندر رہے گی؟ حاملہ خواتین اور بڑھنے والے بچوں میں ہڈیوں کی تعمیر کے لیے کیلشیم اور فارسفورس کی ضرورت ہوتی ہے یہ دونوں چیزیں دودھ سے ملتی ہیں۔آب و ہوا، اوقات اور خوراک جانوروں کے دودھ اور ان کی خاصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

بکری کا دودھ:

بکری کا دودھ لطیف اور معتدل ہے۔رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں ہمیشہ اپنے پینے کے لیے بکری کے دودھ کو پسند فرمایا۔بکثرت احادیث مبارکہ آپ ﷺ کے بکری کے دودھ پینے کی روایات کے بارے میں موجود ہیں۔قانون مفرد اعضاء[1] میں بکری کے دودھ کو تر گرم کہا گیا ہے۔حکیم محمد یٰسین بکری کے دودھ کے بارے میں لکھتے ہیں: اس میں چکنائی کی مقدار کم ہوتی ہے۔اس لیے شیر خوار بچوں کے لیے ماں کے دودھ کے بعد بکری کا دودھ بہترین مانا گیا ہے۔جس پر بچے کی مکمل نشو نما ممکن ہے بلکہ جو بچے بد ہضمی اور بچوں کی ٹی بی (مرض دق الاطفال) کی وجہ سے سوکھ گئے ہوں ان کے لیے بکری کا دودھ آب حیات کی مانند ہے۔یہ ان کے لیے بے حد مقوی غذائی دوا ہے۔کیونکہ یہ زود ہضم ہوتا ہے اور اس سے معدہ اور انتڑیوں کو نقصان نہیں ہوتا۔جن بچوں کی نشوونما رک جائے، ان کے لیے بے حد

---

(۱) قانون مفرد اعضاایک منفرد طریقہ علاج ہے۔حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی (م ۱۹۷۲ء) نے اسے رائج کیا۔انہوں نے اس طریقہ علاج کی کی بنیاد طبِ اسلامی / طب یونانی پر رکھی۔اس میں جدت پیدا کی اور بہت سی نئی جہات میں کام کیا۔

مفید ہے۔ خشک کھانسی، سل وتپ دق کی کھانسی، پھیپھڑوں کے زخموں اور حلق کی خراش میں خاص طور پر فائدہ مند ہے۔ خناق اور مثانہ کی خراش و زخم میں بھی نافع ہے۔ مدقوق مریضوں کے لیے بکری کا دودھ آب حیات سے کم نہیں۔(۱)

جدید تحقیق کے مطابق بکری کا دودھ دق (ٹی بی) کے جراثیم سے خود بھی سے خالی ہوتا ہے، یہ انسانی جسم میں موجود ٹی بی کے ان جراثیم کا مقابلہ کرتا ہے اور تباہ شدہ ٹشوز کو دوبارہ مرمت کر کے نشوونما دینے میں نمایاں حصہ لیتا ہے۔ جن بچوں کے گلے جلد خراب ہوتے ہوں انہیں خاص طور پر بکری کا دودھ پلانا چاہیے۔ اس سے بلغم پیدا نہیں ہوتا۔ نئی تحقیق کے مطابق جن لوگوں کو لیکٹوز پرابلم (دودھ کے ہضم نہ ہونے کا مسئلہ)(۲) ہو اور ان کی آنتیں گائے اور بھینس کے دودھ کو ہضم نہ کر سکیں، انہیں بکری کا دودھ استعمال کرنا چاہیے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر بعض محققین نے بکری کے دودھ کو گائے کے دودھ سے افضل بھی قرار دیا ہے۔ خاص طور پر دماغی کام کرنے والوں کے لیے بکری کے دودھ سے بہتر کوئی اور غذا نہیں۔ پھر اس کے استعمال (پینے) سے جلد نرم و ملائم رہتی ہے۔ کولیسٹرول نہیں بڑھتا، جسم میں مختلف قسم کی الرجی یا حساسیت سے لڑنے کی قوت مدافعت بڑھتی ہے۔(۳)

بعض اطباء کے نزدیک بکری کا دودھ چہرے کا رنگ نکھارتا ہے، جھائیوں اور مہاسوں کو دور کرنے کے لیے بھی بہت مفید ہے، اس لیے خواتین کے لیے تو یہ خاص قدرتی تحفہ ہے۔ کتیرا گوند کے ہمراہ پینے سے پھیپھڑوں کے زخم ٹھیک ہو جاتے ہیں، غم، وحشت اور خفقان میں فائدہ دیتا ہے۔ گرم گرم بکری کا تازہ دودھ پیشاب کی رکاوٹ کو درست کرتا ہے، مقوی باہ ہے اور مثانہ کے زخم کو درست کرتا ہے۔ یہ دودھ گرم مزاج والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ اگر گلے کی خرابی یا حلق میں ورم ہو تو دودھ کو تھوڑی دیر گلے میں روک کر پینا بے حد مفید ہے۔ اسی طریقے سے

---

(۱) دیناپوری، محمد یٰسین، (حکیم)، (۲۰۱۳ء)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دیناپور۔ ص ۸۴۔

(۲) قدرتی طور پر دودھ میں شامل شکر کو لیکٹوز (LACTOSE) کہتے ہیں۔ یہ شکر بعض افراد کو ہضم نہیں ہوتی اس وجہ سے وہ دودھ نہیں پیتے یا پی نہیں سکتے۔ اس بدہضمی کا سبب لیکٹیز (LACTASE) نامی ایک خامرے (ENZYME) کی کمی ہوتی ہے، لیکٹیز دودھ میں شکر کو علیحدہ کر دیتا ہے، تاکہ وہ زود ہضم ہو کر خون میں شامل ہو جائے۔ جب یہ خامرے کم ہو جاتے ہیں تو دودھ کثافت کے اعتبار سے بھاری رہتا ہے اور چھوٹی آنت اسے ہضم نہیں کر پاتی۔ وہ افراد جو لیکٹیز کی کمی کا شکار ہوتے ہیں، دودھ نہیں پی سکتے۔ دودھ ہضم نہ ہونے پر عام طور پر قے، متلی، اینٹھن، ریاح، اور دست کی شکایات ہونے لگتی ہیں۔ ایسے افراد جب لیکٹیز والی غذائیں کھا، یا پی لیتے ہیں ان میں مذکورہ علامات آدھے گھنٹے سے لے کر دو گھنٹے بعد ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ ان علامات کے کم یا زیادہ ہونے کا انحصار جسم میں موجود لیکٹیز کی تعداد پر ہوتا ہے۔

(۳) بکری کے دودھ کے فوائد / lifetips.pk/archives/36325/Aug16-2017

تالو، زبان اور کوے کے ورم کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس میں معدنی عنصر سوڈیم پایا جاتا ہے۔ جو جسم کے زہریلے مواد کو تحلیل کر کے گردے اور مثانے کے راستے خارج کرتا ہے۔

اصلاحِ خون کے لیے بکری کا دودھ تمام جانوروں کے دودھ سے پہلے نمبر پر ہے۔ بکری کا دودھ ہمیشہ ابال کر استعمال کرنا چاہیے۔ اس دودھ میں کچھ فولاد بھی ملتا ہے، جس سے پھیپھڑوں کے امراض، خصوصاً دمہ کے مرض میں فائدہ ہوتا ہے، تھوک یا قے میں خون آنے کو روکتا ہے، سینے کی جلن کو ختم کرتا ہے، نظام ہضم کی خرابیوں کو دور کرتا ہے، اسہال روکتا ہے۔ بکری کا مکھن اور گھی تپ دق کے مریض کے لیے بے حد مفید ہوتا ہے۔ خون کی الٹیاں آنے کی صورت میں بکری کے دودھ کے ساتھ صندل سرخ اور ملٹھی ملا کر پلانا مفید ہوتا ہے۔

حکیم محمد یٰسین دنیا پوری اس بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ بکری کے جسم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اس کو جس قسم کی جڑی بوٹیاں کھلائیں گے ان کا اثر فوراً اس کے دودھ میں آجاتا ہے۔ جس کا یہ فائدہ ہے کہ ہم جس قسم کے افعال کا دودھ حاصل کرنا چاہیں تو بکری سے لے سکتے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) مریض کو شفایاب کر سکتے ہیں۔ یہ خوبی کسی اور دودھ دینے والے جانور میں نہیں پائی جاتی۔[(۱)] سو گرام بکری کے دودھ میں ۷۰ حرارے، ۴.۳ گرام لحمیات، ۳.۸ گرام چکنائی، ۷.۱ گرام نشاستہ موجود ہوتے ہیں۔ معدنیات میں سے ۱۵۰ ملی گرام کیلشیم، ۱۲۰ ملی گرام فارسفورس، ۵۰ ملی گرام سوڈیم، ۲۰۴ ملی گرام پوٹاشیم اور ۰.۱ ملی گرام فولاد ملتی ہیں۔[(۲)] جبکہ روز مرہ ضرورت کی حیاتین میں سے حیاتین الف ۳ فیصد، حیاتین ج ۲ فیصد، حیاتین د ۱۲ فیصد اور حیاتین ب ۱۲ (کوبال من) ایک فیصد پائے جاتے ہیں۔

گائے کا دودھ:

رسول اللہ ﷺ نے گائے کا دودھ نوش فرمایا اور دوسروں کو اس کے پینے کی تاکید فرمائی ہے۔ گائے کے دودھ اور اس کے مکھن کو دوا اور شفا قرار فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً، فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ؛ فَإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ''[(۳)]

---

(۱) دنیاپوری، محمد یٰسین، (حکیم)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دنیاپور۔ ۲/ ۲۱۰-۲۱۱۔

(۲) سعیدہ غنی، (پروفیسر) ودیگر، (۲۰۱۳ء)، غذا اور غذائیت، آزاد بک ڈپو، لاہور، پاکستان۔ ص۷۹۔

(۳) نسائی، احمد بن شعیب، (۱۴۱۲ھ)، السنن الکبریٰ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ ۶/ ۲۹۸، رقم الحدیث: ۶۸۳۴۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوانازل فرمائی ہے،پس گائے کا دودھ پیا کرو کیونکہ یہ ہر قسم کے درختوں سے چرتی ہے"

امام حاکم مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

''عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ وَ سُمْنَانِهَا، وَإِيَّاكُمْ وَلُحُومَهَا فَإِنَّ أَلْبَانَهَا وَسُمْنَانُهَا دَوَاءٌ وَشِفَاءٌ وَلُحُومُهَا دَاءٌ''(۱)

"تمہارے فائدے کے لیے گائے کا دودھ اور مکھن ہے اور اس کا گوشت ہے،تو اس کے دودھ اور مکھن میں دوا اور شفاہے اور اس کے گوشت میں بیماری ہے"

حضرت ابن مسعودؓ ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں:

''تَدَاوَوْا بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ؛ فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يَجْعَلَ اللهُ فِيهَا شِفَاءً؛ فَإِنَّهَا تَأْكُلُ مِنَ الشَّجَرِ''(۲)

"گائے کے دودھ سے علاج کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شفارکھی ہے کیونکہ یہ ہر قسم کے درختوں سے چرتی ہے"

قانون مفرد اعضاً میں گائے کے دودھ کا مزاج تر گرم بتایا گیا ہے، لکھا ہے کہ یہ دودھ اپنی افادیت کے لحاظ سے یکتا ہے، زود ہضم ہے، پینے سے نفخ پیدا نہیں ہوتا، اس کے استعمال سے چربی وافر بنتی ہے جس وجہ سے دبلا جسم فربہ ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ گائے کے دودھ کو "مسمن بدن" یعنی جسم کو موٹا بنانے والا کہا جاتا ہے۔ جبکہ پنجاب میں بہت پسند کیا جانے والا بھینس کا دودھ مزاج کے لحاظ سے تر سرد ہوتا ہے، یہ اپنے مزاج اور وافر چکنائی کا حامل ہونے کی بنا پر خصوصاً بچوں کے لیے موافق نہیں۔کتب طب میں جب مطلق دودھ کا ذکر ہو تو اس سے مراد ہمیشہ گائے کا دودھ ہی ہوتا ہے۔تر اور گرم ہونے کی وجہ سے یہ طبیعت کو نرم کرتا ہے، تازہ دودھ خفقان، سل اور دق، پھیپھڑوں کے زخم بند کرتا ہے۔ تازہ دوہا ہوا گرم گرم دودھ پینے سے دماغ کو قوت اور تری ملتی ہے۔ یہ مالیخولیا، نسیان اور وساوس کی بیماریوں میں بہترین ثابت ہوتا ہے۔ رنگت نکھارتا ہے، کچھ دیر بالوں پر لگانے سے انہیں نرم کرتا ہے۔(۳) مولد خون ہے، مقوی قلب ہے، بند چوٹوں میں ہلدی کے ساتھ گرم دودھ کا استعمال فائدے مند ہے۔اپنے تر گرم مزاج کی وجہ سے تمام

---

(۱) حاکم، محمد بن عبداللہ، (۱۴۱۱ھ)، المستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ۴/ ۴۴۸، رقم الحدیث: ۸۲۳۲۔

(۲) طبرانی، سلیمان بن احمد، (۱۴۱۵ھ)، المعجم الکبیر، باب مسند عبداللہ بن مسعود، دار الصمیعی، الریاض۔ ۱۰/ ۱۴، رقم الحدیث: ۷۸۸

(۳) گرتے بالوں کو روکنے کے لیے گائے کا دودھ جوش دے کر ٹھنڈا کر کے پانچ منٹ تک سر پر مالش کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

زہروں کا تریاق ہے، خصوصاً گائے کے گھی کے ساتھ ملا کر دینے سے فوراً فائدہ ہوتا ہے۔(۱) بادی، صفرا اور خون کے فساد فساد کو دور کرتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ بہترین گائے کا دودھ وہ ہے جس کا بچہ چار ماہ کا ہو جائے۔ ایسا دودھ میٹھا، زود ہضم، مصفیٰ خون اور مقوی ہوتا ہے۔

غذائی ماہرین کے مطابق گائے کا دودھ گائے کے دودھ میں نمکیات کم، پنیر اور روغنی اجزاء زیادہ ہوتے ہیں۔ قد بڑھانے کے عمل میں جو لحمیات درکار ہوتے ہیں، ان میں ایک کیمیائی مادہ لائی سین(Lysin) ہے جو گائے کے دودھ میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی مقدار دودھ کے اندر ۷.۶۱ فیصد ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے پیشاب میں تیز بدبو ہوتی ہے دراصل اُن کے جسم میں یورک ایسڈ کی مقدار بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ گائے کا دودھ خاص طور پر اور باقی دودھ عام طور پر یورک ایسڈ جسم میں نہیں بننے دیتے۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے گائے کا آدھا کلو دودھ روزانہ استعمال کرنا بے حد مفید ہوتا ہے۔

وافر وٹامن اے اور ڈی رکھنے کی بنا پر بینائی تیز کرتا ہے۔ بھینس کے دودھ سے بہت بہتر ہوتا ہے کیونکہ گائے کے دودھ میں ایسی چیزوں کی مقدار اوسطاً زیادہ پائی جاتی ہے جو جسم میں جذب ہو کر اس میں چستی اور پھرتی پیدا کرتی ہیں۔ گائے کے گھی میں آیوڈین بھی ہوتی ہے جو بھینس کے دودھ میں ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ گائے کے دودھ کی چکناہٹ بھی زود ہضم ہوتی ہے۔ انسانی بال، ناخن، دانت اور آنکھوں کو بہتر حالت میں رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک گلاس روزانہ گائے کا دودھ استعمال کیا جائے۔ بالائی سمیت گائے کے (سو گرام دودھ) کے غذائی اجزأ میں حرارے ۶۶ گرام، کولیسٹرول پانچ ملی گرام، لحمیات ۳. ۳ گرام، چکنائی ۳.۹ گرام، نشاستہ ۴.۶ گرام پائے جاتے ہیں۔ معدنیات میں سے کیلشیم ۱۲۰ ملی گرام، فارسفورس ۸۷ گرام، سوڈیم ۴۴ ملی گرام، پوٹاشیم ۱۵۰ ملی گرام، میگنیشیم ۲۰ ملی گرام اور آئرن ۰.۳ ملی گرام ملتے ہیں۔(۲) جبکہ تجویز کردہ روز مرہ حیاتین کی ضرورت میں سے حیاتین الف پانچ فیصد، ب ۱۲ (کوبال من) آٹھ فیصد پایا جاتا ہے۔

اونٹنی کا دودھ:

رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کا دودھ نوش فرمایا اور اس کی افادیت بیان فرمائی ہے۔ امام احمد، مسند میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) دنیاپوری، محمد یٰسین (حکیم)، خواص المفردات، ۳/۸۷-۸۸۔

(۲) سعیدہ غنی، غذا اور غذائیت، ص۷۹۔

''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ''(۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے شفا رکھی ہے،(اس مقصد کے لیے) تمہارے لیے اونٹنی کا دودھ ہے، یہ ہر قسم کے درختوں سے چرتی ہیں"

آپ ﷺ نے اس کے دودھ کو استسقاءُ (۲) کا شافی علاج بھی قرار فرمایا اور کچھ لوگ جو اس مرض میں مبتلا ہو گئے تھے انہیں اونٹیوں کا دودھ پینے کا حکم فرمایا اور اس کا انتظام فرمایا۔ اس بارے میں امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الطب میں ایک باب باندھا ہے: الدَّوَاءِ بِأَلْبَانِ الإِبِلِ "یعنی اونٹ کے دودھ سے علاج" اس میں حضرت انس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ بیمار لوگوں (دیگر روایات میں ان لوگوں کے پیٹ پھولنے، ٹانگوں اور چہروں پر سوجن کا ذکر آتا ہے) کو جنہوں نے مدینہ شریف کی ناموافق آب و ہوا کی شکایت کی تھی: إِنَّ المَدِينَةَ وَخِمَةٌ "کہ مدینہ (طیبہ) کی فضا (ہمارے) لیے خراب ہے"

''فَأَنْزَلَهُمُ الحَرَّةَ فِي ذَوْدٍ لَهُ، فَقَالَ: اشْرَبُوا أَلْبَانَهَ فَلَمَّا صَحُّوا''(۳)

"چنانچہ آپ ﷺ نے حرہ میں چراگاہ میں آپ کا انتظام کر دیا اور فرمایا کہ ان اونٹوں کا دودھ پیو پھر جب وہ صحت مند ہو گئے تو۔۔۔"

گویا اونٹ کا دودھ ان کی بیماری کا علاج تھا۔

یہ گرم تر مزاج کا حامل ہے چکنائی بے حد کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کبھی چھوٹے بچوں کو دودھ سے ایک خاص قسم کی الرجی اور اسہال کی سی ایک شکایت پائی جاتی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں اگر اونٹنی کا دودھ استعمال کروایا جائے تو اس سے افاقہ ہوتا ہے۔ بعض اطباء کے مطابق اونٹنی کا دودھ جگر کے تمام دردوں کے لیے دوائے شافی ہے۔ یہ مزاج جگر کے فساد کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ اونٹنی کا دودھ زیادہ رقیق ہوتا ہے اس میں سرعت نفوذ کی غیر

---

(۱) احمد بن حنبل، (۱۴۲۱ھ)، المسند، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔ ۳۱/ ۱۲۷، رقم: ۱۸۸۳۱۔

(۲) عام فہم طور پر اسکا مطلب پیٹ میں پانی پڑنا ہے۔ اس مرض میں گردے صحیح سے کام نہیں کرتے اور پانی کا اخراج ٹھیک نہیں ہوتا اور وہ اندر ہی مختلف اعضائیں جمع ہونے لگتا ہے۔ پیاس بہت بڑھ جاتی ہے، صحت گر جاتی ہے، جلد اور زبان خشک، آنکھیں ویران، نبض کمزور ہو جاتی ہے اتنی کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے، اس کیفیت کو انگریزی میں (Ascites) کہتے ہیں۔

(۳) بخاری، الصحیح، ص ۱۲۲۳، رقم الحدیث: ۵۶۸۵۔

معمولی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اس کے استعمال سے دست آتے ہیں اور جگر اور جسم کے دوسرے اعضاً کے سدے کھل جانے سے جمع شدہ غلیظ مادے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔

بی بی سی کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق مصر میں جزیرہ نما سنائی کے بدو زمانہ قدیم سے یقین رکھتے ہیں کہ اونٹنی کا دودھ تقریباً تمام اندرونی بیماریوں کا علاج ہے۔ ان کے خیال میں اس دودھ میں جسم میں موجود بیکٹیریا ختم کرنے کی صلاحیت ہے۔اقوام متحدہ کے ادارہ برائے خوراک و زراعت کی ایک رپورٹ میں روس اور قزاقستان میں اکثر ڈاکٹر اونٹنی کا دودھ کئی مریضوں کے علاج کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ بھارت میں اونٹنی کا دودھ یرقان، ٹی بی، دمہ، خون کی کمی اور بواسیر کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ان علاقوں میں جہاں اونٹنی کا دودھ خوراک کا باقاعدہ طور پر حصہ ہے، وہاں لوگوں میں ذیابیطس کی شرح بہت کم پائی گئی ہے۔[1] یہ دودھ کھانسی میں اور تلی کے امراض میں بے حد مفید ہے۔ ورم جگر میں اسے شربت بزوری کے ہمراہ پلانا مفید ہے۔ جسم پر اس کی مالش کرنے سے جلد ملائم ہوتی ہے۔

تحقیق کے مطابق اونٹنی کے دودھ میں اہم معدنیات جیسے فولاد، جست، پوٹاشیم، تانبا، سوڈیم اور میگنیشیم کا اجتماع گائے کے دودھ کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔اسی طرح اس دودھ میں وٹامن اے اور ب ۲ کی مقدار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لحمیات کی مقدار بھی گائے کے دودھ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اونٹنی کے دودھ میں وٹامن ج کی مقدار گائے کے دودھ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یہ دودھ جراثیم کش بھی ہوتا ہے۔ اس میں کولیسٹرول کی مقدار بھی گائے کے دودھ کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔اونٹنی کا دودھ مانع تکسید عوامل (Antioxidants)سے بھرپور ہوتا ہے جو کہ جسم میں گردش کرنے والے آزاد ذرات (Free radicals)کے اخراج میں مدد دیتے ہیں، جس سے مختلف امراض سے تحفظ بھی ملتا ہے۔اس دودھ میں ایک جزو الفا ہائیڈروژل ایسڈ(Alfa hydrosol acid)ہوتا ہے جو کہ جلد کی جھریوں کی روک تھام کرتا ہے، جس سے عمر بڑھنے سے جسم پر مرتب ہونے والے اثرات سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اونٹنی کے دودھ میں درد کش خصوصیات بھی ہیں جو کہ کھانسی، جوڑوں کے امراض اور دیگر امراض کے علاج میں مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔اس میں موجود اجزاً ذیابیطس سے تحفظ دینے یا اسے کنٹرول کرنے میں موثر ثابت ہوتے ہیں، اس میں ایک انسولین جیسا لحمی ترشہ موجود ہے جو کہ ذیابیطس کے اثرات کو کم کرتا ہے،خون کے لیے اس دودھ میں موجود انسولین کو جذب کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس میں چکنائی بہت کم ہوتی ہے جو کہ جسمانی وزن میں اضافے کا خطرہ کم

(1) bbc.com/urdu/science/2009/10/091003_camel_milk_na

کرتی ہے، اس میں موجود اجزا خون میں موجود شکر کی مقدار کو ریگولیٹ کرتے ہیں۔ جس سے جسمانی وزن میں کمی لانے میں مدد ملتی ہے۔(۱)

خاص حالات میں اونٹنی کے دودھ میں پانی کی مقدار ۹۱ فیصد تک ریکارڈ کی گئی ہے۔ ورنہ عموماً اس کے دودھ میں پانی کی مقدار ۸۶-۸۷ فیصد ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے عام طور پر اونٹنی کا دودھ، گائے کے دودھ ہی کی طرح گاڑھا ہوتا ہے۔ مگر گرم موسم میں، جب حیوان پانی کی کمی کا شکار ہوں تو، اونٹنی کے دودھ میں پانی کی مقدار بڑھتے ہوئے ۹۱ فیصد تک پہنچ جاتی ہے۔ اِن حالات میں گائے اور بکری وغیرہ کے دودھ میں پانی کی مقدار بتدریج گھٹتی ہے اور بالآخر دودھ کی پیداوار بند ہو جاتی ہے، جب کہ اِس وقت اونٹنی کے دودھ میں پانی کی مقدار ۹۱ فیصد ہو جاتی ہے۔ دودھ کے ساتھ پانی کا یہ اضافی اخراج اگرچہ اونٹنی کے اپنے جسم میں پانی کی کمی کا باعث بنتا ہے، مگر دودھ میں یہ اضافی پانی اونٹنی کے بچے کو پانی کی کمی کا شکار ہونے سے بچاتا ہے۔ پھر یہی دودھ انسان کے لیے اُن خشک حالات میں پانی اور غذا کے حصول کا اہم ذریعہ ثابت ہوتا ہے، جو انسانی بقاء کے لیے نہایت اہم غذا بھی بن جاتا ہے۔

اونٹنی کے دودھ میں اگلیوٹینین (Agglutinin) نامی مادہ نہیں ہوتا (جو کہ دودھ میں شامل چکنائی کے ساتھ مل کر دودھ کے اوپر بالائی کی تہہ بناتی ہے)۔ لہٰذا، اگلیوٹینین کی غیر موجودگی کے باعث، اونٹنی کے دودھ کی چکنائی، گائے کے دودھ والی چکنائی کی طرح ایک جگہ جمع نہیں ہوتی اور ہضم میں بھی مسائل پیدا نہیں ہوتے۔ شاید اسی لیے بھی اونٹنی کے دودھ میں دہی بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اونٹنی کے دودھ میں انسانی دودھ کی طرح الفا لیکٹوگلوبیولن (Alpha lactoglobulin) کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اونٹنی کے دودھ میں موجود "وے (whey)" قسم کی لحمیات گائے کی لحمیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ اِسی باعث شاید اِن کی مانع تکسید (Antioxidant) اور مانع جراثیم (Antimicrobial) خصوصیات زیادہ ہوتی ہیں۔ اونٹنی کے دودھ میں موجود لحمیات (پروٹین) بہت زیادہ درجہ حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ گائے کے دودھ کو ۸۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر آدھے گھنٹے گرم کرنے پر ۷۰ سے ۷۵ فیصد لحمیات ضائع ہو جاتے ہیں، جبکہ اونٹنی کے دودھ میں اِس درجہ حرارت پر صرف ۳۲ سے ۳۵ فیصد لحمیات ضائع ہوتی ہیں۔

دودھ کی لحمیات میں اہم ترین چیز ان میں شامل خامرے (Enzymes) ہیں، جن کی وجہ سے دودھ کا انہضام اور دودھ کی طبّی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اونٹنی کے دودھ میں شامل مختلف اہم خامروں کی بدولت اونٹنی کے دودھ کی افادیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ خامرے بنیادی مدافعتی نظام میں حصہ لیتے ہیں۔ آنتوں کو بیکٹیریا کی نمو سے

(۱) اونٹنی کا دودھ صحت کے لیے فائدہ مند یا نقصان دہ/dawnnews.tv/news /apr16-2020

محفوظ رکھتے ہیں ۔ مدافعتی نظام میں خصوصاً نقصان دہ بیکٹیریا کی فعالیت ختم کرتے ہیں۔ پھوڑے، سوجن کو ختم کرنے والے اینٹی ٹیومر (Antitumor) عوامل میں بھی کردار ادا کرتے ہیں۔ اونٹنی کے دودھ میں اِن خامروں (Enzymes) کی سب سے زیادہ مقدار دیکھی گئی ہے اور پہلے پہل اِنہیں اونٹنی ہی کے دودھ میں دریافت کیا گیا تھا۔ ان کے اثر سے چھاتی کا سرطان نہیں پھیلتا۔ تحقیق کے مطابق اس دودھ میں ایسے خامرے بھی پائے گئے ہیں جو بیکٹیریا کے علاوہ وائرس کا قلع قمع کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مختلف خامرے اونٹنی کے دودھ کو وائرس اور بیکٹیریا کے خلاف انتہائی مؤثر بناتے ہیں ہے۔ جس سے اونٹنی کے دودھ کی اہمیت اب گائے کے دودھ کے مقابلے میں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

حیاتین کے تناظر میں دیکھا جائے تو اونٹنی کے دودھ میں وٹامن الف، ب۱ (تھایامین)، ب۲ (رائبو فلیون)، حیاتین ای (E) اور فولک ایسڈ (Folic Acid) کی مقدار، گائے کے دودھ کے مقابلے میں کچھ کم ہوتی ہے، جب کہ حیاتین ج کی مقدار گائے کے دودھ سے تین گنا اور انسانی دودھ سے ڈیڑھ گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔ 'حیاتین ج' جو کہ حیوانات کے جگر میں تیار ہوتا ہے۔ مگر قدرت کا کرشمہ کہ یہ ہمیں اونٹنی کے دودھ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ (۱) یعنی تمام حیوانات میں اونٹنی کا دودھ منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ﴾(۲)

"تو کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا؟"

اونٹ میں اللہ تعالیٰ نے جو بے پناہ خاصیتیں رکھی ہیں اور جن کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا اب ان کے بارے میں تحقیقات سے معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔

سو گرام اونٹنی کے دودھ میں (عام حالات میں) پانی تقریباً ۵ . ۸۶ فیصد ہوتا ہے، مٹھاس ۳ گرام، غذائی حرارے ۴۶، کولیسٹرول ۶ ملی گرام (۲ فیصد)، لحمیات ۵ . ۳ گرام، چکنائی ۲ گرام (۳ فیصد) پائی جاتی ہیں۔ معدنیات میں سے سوڈیم ۶۳ ملی گرام، (تجویز کردہ روزانہ ضرورت کے مطابق کیلشیم ۱۵ فیصد، آئرن ایک فیصد موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ

---

(۱) اونٹنی کے دودھ کی اہمیت، نوعیت اور افادیت (حصہ دوم) ڈاکٹر سید صلاح الدین قادری بدھ ۲۱ جون express.pk/story/853438/

(۲) سورۃ الغاشیہ، ۸۸/۱۷

حیاتین میں سے حیاتین الف دو فیصد، حیاتین ب۲ (ربیو فلیون) آٹھ فیصد، حیاتین ب۱ (تھایامین) ۲۹ فیصد اور حیاتین ج پانچ فیصد ملتی ہیں۔(۱)

دودھ سے حاصل ہونے والی اشیاء

دودھ حیوانی ذرائع سے حاصل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانوں کو جنتی نعمتوں کے بارے میں بارہا بتایا ہے۔ انہی میں سے ایک نعمت دودھ ہے۔ فرمایا جنت میں ایسے دودھ کی جاری نہریں ہیں جن کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہو گا۔ مثلاً سورۃ محمد میں ارشاد ربانی ہے:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ﴾(۲)

"احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا"

دودھ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی مزید کئی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ مثلاً دہی، لسی، پنیر، مکھن اور گھی۔ ان کو نبی کریم ﷺ نے بھی استعمال فرمایا ہے اور اپنے عمل اور قول مبارک سے ان کی اہمیت اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے۔

مکھن:

مکھن دودھ کی چکنائی / بالائی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکھن تناول فرمایا اور اسے پسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے مکھن کو کھجور کے ساتھ، روٹی پر لگا کر اور کئی کھانوں میں ملا کر تناول فرمایا ہے۔ اس بارے میں امام ابو داودؒ اپنی سنن میں بسر اسلمی کے دونوں بیٹوں سے روایت نقل کرتے ہیں:

''دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَتَمْرًا وَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ''(۳)

"رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں مکھن اور کھجور پیش کیے اور آپ ﷺ کو مکھن اور کھجور بہت پسند تھے"

---

(1) livesciece.com>Camel Milk Nutrition Facts. 03/02/2016

(۲)سورۃ محمد، ۴۷/۱۵

(۳)ابو داود، سلیمان بن اشعث، (۱۴۱۷ھ)، السنن، مکتبۃ المعارف، الریاض. ص۶۸۹، رقم الحدیث: ۳۸۳۷۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ یہ غذا آج بھی رائج و مستعمل ہے، اس میں کھجور کے سرے پر مکھن رکھتے ہیں اور اکثر اس میں تر کھجور استعمال کرتے ہیں تاکہ مکھن کی چکناہٹ تر کھجور کی عفونت کو مار دے[۱]، آپؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے روٹی کو گھی اور مکھن سے تر کر کے تناول فرمایا ہے۔[۲]

نبی کریم ﷺ نے گوشت اور روٹی سے بنا ہوا ثرید بے حد پسند فرمایا ہے اور اسے تمام کھانوں پر ترجیح دی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے حیس کو بھی بہت پسند فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

''كَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الثَّرِيدُ مِنَ التَّمْرِ وَهُوَ الْحَيْسُ''[۳]

''رسول اللہ ﷺ کو کھانوں میں کھجور سے بنا ہوا ثرید بہت پسند تھا اور وہ حیس تھا''

حیس ایک قسم کا حلوہ ہے۔ فتح خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے جب حضرت صفیہؓ سے شادی کی تو ولیمہ کے لیے حیس کا حلوہ تیار کروایا تھا۔ کچھ محدثین کرام کا خیال ہے کہ اس دعوتِ ولیمہ میں کھجور، پنیر اور مکھن سے حاضرین کی تواضع کی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے محدثین کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سب چیزوں کو باہم ملا کر حلوہ کی شکل میں پکا کر ضیافت کی گئی تھی۔ اس حلوے کے بنانے کے دو نسخے ہیں۔ ایک میں صرف جو کا آٹا ڈالا جاتا ہے اور دوسرے میں ساتھ پنیر کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ مگر مکھن یا گھی حیس کے ضروری اجزاء میں شامل ہیں۔

اسی طرح ثرید میں (عموماً گوشت کا) سالن پکا کر اس میں روٹی کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے جاتے۔ تھوڑی دیر اسے ڈھانپ کر رکھا جاتا اور پھر کھاتے تھے۔ کبھی ڈھانپنے سے پہلے اس پر مکھن پگھلا کر ڈالتے تھے۔ ابن قیم طب نبوی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ ثرید مرکب غذا ہے۔ اس کے اجزا میں روٹی اور گوشت ہیں۔ روٹی تمام غذاؤں میں سے اعلیٰ ترین غذا ہے اور گوشت تمام سالنوں کا سردار ہے پھر جب ان دونوں کو ملا دیا جائے تو ان کی افضلیت کا کیا کہنا۔[۴] پھر جب اس میں مکھن بھی شامل ہو جائے تو اس کی غذائیت متوازن اور کامل (ترین) ہو جاتی ہے اور اس کھانے میں جسمانی ضروریات کی تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

---

(۱) دہلوی، عبد الحق محدث، (۲۰۱۲ء)، مدارج النبوت، مترجم: غلام معین الدین، مکتبہ اعلی حضرت، لاہور۔ ۲/۲۲۸۔

(۲) ایضاً، ۲/ ۲۲۵۔

(۳) بغوی، حسین بن مسعود، (۱۴۱۶ھ)، الانوار فی شمائل النبی المختار، دار المکتبہ، دمشق، ۱/۶۲۷، رقم الحدیث: ۹۶۷۔

(۴) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۳۹۳۔

گائے کا مکھن لطیف اور بھینس کا مکھن بھاری اور چکنا ہوتا ہے۔ گائے کا مکھن زردی مائل جبکہ بھینس کا مکھن سفید ہوتا ہے۔ قانون مفرد اعضاء میں مزاج کے لحاظ سے گائے کے مکھن کو تر سرد کہا گیا ہے[1] مگر ابن قیم اسے گرم تر قرار دیتے ہیں۔[2] قانون مفرد اعضاء کے مطابق یہ مکھن ملین ہونے کی بنا پر اعلیٰ درجے کی قبض کشا غذائی دوا ہے۔ اپنے تسکین بخش اثرات کی بدولت دل کو فرحت دیتا ہے، جسم کی خشکی اور گلے اور پھیپھڑوں کی خشونت کو دور کرتا ہے، کثیر مقدار میں چربی پیدا کر کے جسم کو موٹا کرتا ہے، اسی وجہ سے مسمن بدن بھی کہلاتا ہے، معدہ کی خشکی اور سوزش میں بھی مفید ہے۔ خونی قے یا خونی بلغم آنے کی صورت میں ہر قسم کے علاج سے قبل مکھن کھلایں تو خون آنا فوراً بند ہو جاتا ہے۔[3]

ابن قیم نے طب نبوی میں مکھن کے بہت سے فوائد کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مکھن مادے کو پکا کر اسے تحلیل کرتا ہے۔ جسم کے ورموں کو دور کرتا ہے، اس کا چاٹنا پھیپھڑوں سے آنے والے خون کے اخراج میں نافع ہے، دست آور ہے، سخت اعصاب کو نرم کرتا ہے، بالخورہ اور جسم کی خشکی کو دور کرتا ہے، بچوں کے مسوڑوں پر لگانے سے ان کے دانت بآسانی نکل آتے ہیں، خشکی و ٹھنڈک کی وجہ سے ہونے والی کھانسی میں مفید ہے۔ پاخانہ نرم کرتا ہے مگر بھوک کم کر دیتا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ شیریں اشیاء مثلاً شہد یا چھوہارے بد ہضمی میں نافع ہیں۔ چھوہارہ اور مکھن کو نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ تناول فرمایا ہے[4]، اس میں بہت بڑی حکمت ہے کیونکہ اس سے باہم دونوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

دودھ سے نکلنے والے مکھن میں اسی فیصد (۸۰ %) چکنائی اور تقریباً اٹھارہ فیصد پانی ہوتا ہے۔ اگر اس میں نمک ملا یا جائے تو یہ پانی زیادہ مقدار میں جذب کرلیتا ہے۔ بغیر نمک ملے سادہ مکھن کے غذائی اجزا کو دیکھیں تو ایک چوتھائی پاؤنڈ (چاراونس) یا ۱۱۳ گرام سادہ مکھن میں ۱۸ فیصد پانی، ۸۱۳ حرارے، لحمیات ایک گرام، چکنائی ۹۲ گرام، کولیسٹرول ۲۴۸ ملی گرام، کیلشیم ۲۷ ملی گرام، آئرن ۰.۲ ملی گرام، پوٹاشیم ۲۹ ملی گرام، سوڈیم ۱۲ ملی گرام، وٹامن الف ۳۴۶۸ بین الاقوامی اکائیاں، ب۱ (تھایامین) ۰.۰۱ ملی گرام اور ب۲ (رائبو فلیون) ۰.۰۴ ملی گرام پائے جاتے ہیں۔

---

(۱) دنیاپوری، محمد یٰسین، خواص المفردات، ۳/۲۵۱۔

(۲) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص۴۲۱۔

(۳) دنیاپوری، محمد یٰسین، خواص المفردات، ۳/۲۵۱-۲۵۲

(۴) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص۴۲۱-۴۲۲۔

دہی:

دودھ سے حاصل ہونے والی متعدد اشیائ میں سے دہی ایک اہم شئے ہے۔ نبی کریم ﷺ سے دہی کے استعمال کے بارے میں سوال پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اسے مباح قرار فرمایا۔ ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے:

''سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ السَّمْنِ، وَالْجُبْنِ، وَالْفِرَاءِ قَالَ: الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ، فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ''(۱)

''رسول اللہ ﷺ سے گھی، پنیر اور دہی کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ نے کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال، جو حرام فرمادیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت اختیار فرمایا تو وہ معاف ہے''

دہی میں دودھ کی مانند لحمیات کی کثیر مقدار موجود ہوتی ہے۔ مگر دہی کے بننے کے عمل سے اس میں موجود لحمیات زود ہضم بن جاتی ہیں۔ اصل میں یہ جما ہوا دودھ ہی ہوتا ہے۔ مگر دودھ کے مقابلے میں جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ دودھ کو ضامن لگا کر چند گھنٹے رکھنے سے دہی بن جاتا ہے۔ اس میں دودھ کی وہ ساری چکنائی موجود ہوتی ہے جس سے گھی نکالا جاتا ہے۔ قانون مفرد اعضاء کے مطابق دہی کا مزاج گرم تر ہے۔ اس میں موجود چکنائی یا روغن کی وجہ سے اسے دماغ (سر) پر مالش کرنے کے کام لاتے ہیں۔ خصوصاً دہی کی بالائی مرطب اور نیند آور ہوتی ہے۔ چہرے کی جلد کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے بھی آزمودہ ہے۔ بالوں کی تیزی سے افزائش کرتی ہے۔ اپنے گرم تر مزاج اور مقوی ہونے کی بنا پر دست، قے اور ہیضے کے لیے بہترین دوائی غذا ہے۔

دہی کو ساری دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر کئی ممالک میں اسے خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ بلغاریہ کے لوگوں کی طبعی عمر دیگر ممالک سے زیادہ ہے۔ سائنسدانوں نے مسلسل تجربوں اور تجزیہ کے بعد پتا چلایا کہ اس کی ایک وجہ دہی ہے کیونکہ وہاں کے لوگ دہی کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں۔ فرانس میں اسے حیاتِ جاوداں کا نام دیا گیا ہے۔ فرانسیسی ماہر جراثیم پروفیسر میچ سنٹکو لکھتے ہیں کہ دہی درازیٔ عمر کی چابی ہے۔ اس کے استعمال سے نہ صرف انسان بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے بلکہ طویل عمر پاتا ہے۔ دہی میں اچھی قسم کے بیکٹیریا پائے جاتے ہیں، جس سے جسم کو کئی طرح سے فائدہ ملتا ہے۔ آیورویدک کے مطابق موسم گرما میں دودھ کے مقابلے دہی کھانے کے فوائد زیادہ ہیں۔ روزانہ پیالی دہی نہ صرف بیماریوں کو دور رکھتا ہے بلکہ جسم کو صحت مند بناتا ہے۔ دودھ میں شامل موٹی بالائی اور چکنائی جسم کو

---

(۱) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (دون السنہ)، السنن، تحقیق: فواد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ص ۱۱۱۷، رقم الحدیث: ۳۳۶۷۔

ایک خاص عمر کے بعد نقصان پہنچاتی ہے۔لیکن اس کے مقابلے دہی سے ملنے والا فاسفورس اور وٹامن ڈی جسم کے لیے فائدہ مند ہے۔دہی میں موجود کیلشیم میں ایسڈ کے طور پر جذب کرنے کی خوبی بھی ہوتی ہے۔انسانی صحت کے لئے یہ دودھ کی مانند ہی فائدہ مند ہے۔لیکن اگر دودھ کی مقدار میں اگر دہی استعمال کیا جائے تو اس میں کیلشیم کی مقدار دودھ کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ دودھ سے بیس فیصد زیادہ لحمیات کا حامل بھی ہے۔ دہی میں لیکٹو بیکٹیریا(Lecto Bacteria) پایا جاتا ہے۔جو بڑی آنت کے کینسر سے محفوظ رکھتا ہے۔

ماہرین نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ دل کی تکالیف کی سب سے بڑی وجہ کولیسٹرول ہے جسے دہی کم کر دیتا ہے۔ اگر روزانہ دو پیالے دہی کھایا جائے تو حیران کن رفتار سے کولیسٹرول میں کمی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جسم میں رَواں دَواں خون میں ہونے والے انفیکشن کے تدارک کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں۔اس لیے دہی کو ضد نامیہ جرثیم کش(Antibiotics) کا ذخیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ آنتوں میں پائے جانے والے انتہائی خطرناک بیکٹریا کو دہی گردوں اور مثانے میں جانے سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے۔ مدافعتی نظام کو بہتر کرنے میں دہی کا کوئی ثانی نہیں۔ تین ماہ تک روزانہ دو پیالی دہی استعمال کرنے سے مدافعتی نظام بہت تیزی سے بہتر ہوتا ہے۔نمک کا زیادہ استعمال بہت خطرناک اور مہلک ہوتا ہے۔اس کے نتیجے میں ہائی بلڈ پریشر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ایسے میں دہی کا مسلسل استعمال جسم میں پائے جانے والے سوڈیم کی شدت کم کر کے بلڈ پریشر کو کنٹرول میں کرتا ہے۔روزانہ دو سے تین پیالے دہی کھانا ہائی بلڈ پریشر سے محفوظ رکھتا ہے۔[۱]

کمزور نظام ہضم والے افراد کو بھی دودھ کی بجائے دہی استعمال کرنے کی تجویز دی جاتی ہے۔ حراروں کی کم تعداد رکھنے کی بدولت وزن کم کرنے کے لیے بھی دہی ایک آئیڈیل خوراک ہے۔ نظام ہضم کو قوت فراہم کرنے کے علاوہ یہ غذا کو ہضم کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ موٹے مرد و خواتین کے لیے بہت اہم بات یہ کہ دہی وزن کم کرنے میں بھی معاون ہے۔ دہی استعمال کرنے والے افراد تقریباً ۲۲ فیصد تک اپنا وزن کم کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ ایک نئی امریکی تحقیق کے مطابق دہی میں موجود کیلشیم پیٹ کو کم کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔اس لیے ۸۱ فیصد افراد اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کو کم کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ بوڑھے لوگوں کیلئے دہی صحت کی علامت ہے، دہی ان کا معدہ اور نظام انہضام کو فعال اور بہتر رکھتا ہے۔[۲] ایک اندازہ کے مطابق دودھ ایک گھنٹے میں ۳۲ فی صد ہضم ہوتا ہے، جبکہ دہی اتنے ہی وقت میں ۹۱ فی صد تک ہضم ہو جاتا ہے۔ دہی بھوک بڑھاتا ہے، ہاضم مگر قدرے قابض ہوتا ہے، طاقت فراہم کرتا،

---

(1)May09-2019. /dailytaqat.com/health/lasi-best-for-health

(۲)ایضاً

پیشاب لاتا اور جلن دور کرتا ہے۔اس کے استعمال سے بلغم پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے بلغم کی زیادتی والے افراد کو کالی مرچ، سیندھا نمک اور سیاہ زیرہ ملا کر استعمال کرنا چاہیے(۱)۔

۱۰۰ گرام دہی کے غذائی اجزأ میں ۷۱ حرارے، لحمیات ۵. ۳ گرام، ۰. ۴ گرام چکنائی، نشاستہ ۳. ۵ گرام پائے جاتے ہیں۔ معدنیات میں کیلشیم ۱۶۶ ملی گرام، فارسفورس ۱۴۲ ملی گرام، میگنیشیم ۱۱ ملی گرام، پوٹاشیم ۱۴۱ ملی گرام، سوڈیم ۵۳ ملی گرام، میگنیز ۰۰۹. ۰ ملی گرام، زنک ۵۲. ۰ گرام اور آئرن ۴. ۰ گرام ملتے ہیں۔(۲) جبکہ حیاتین میں سے حیاتین الف اور حیاتین ب کی اکثر اقسام پائی جاتی ہیں۔ حیاتین الف ۲۶ مائکرو گرام، ب۱ (تھایامین) ۰۲۳. ۰ ملی گرام، ب۲ (رائبو فلیون) ۲۷۸. ۰ ملی گرام، ب۳ (نیاسین) ۲۰۸. ۰ ملی گرام، ب۵ (نیکوٹینک ایسڈ) ۳۳۱. ۰ ملی گرام، ب۶ (پائری ڈوکسن) ۰۶۳. ۰ ملی گرام، اور ب۱۲، (کوبالمن) ۷۵. ۰ مائکرو گرام پائے جاتے ہیں۔

لسی: کثیر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دودھ میں پانی، خاص طور پر گھڑے کا ٹھنڈا پانی ملا کر یعنی اسے ٹھنڈا کر کے نوش فرماتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ:

''أَتَى (رسول الله) دَارَهُ، فَحَلَبْتُ شَاةً، فَشُبْتُ لِرَسُولِ الله ﷺ مِنَ البِئْرِ، فَتَنَاوَلَ القَدَحَ فَشَرِبَ''(۳)

"رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے انہوں نے دودھ دوہا اور اس میں کنویں کا تازہ پانی ملا کر پیش کیا آپ ﷺ نے یہ دودھ قبول فرمایا اور نوش فرمایا"

یوں پانی ملا کر آپ ﷺ دودھ میں شامل چکنائی کی مقدار کو کم کر لیتے تھے۔ عرب خصوصاً حجاز مقدس میں جہاں زیادہ تر موسم گرم اور خشک رہتا ہے۔ (ہاں مدینہ شریف میں سردیوں میں موسم سرد ہو جاتا ہے) جب دودھ میں پانی ملا کر پیا جائے تو یہ گرمی کی وجہ سے پیشاب میں کمی کا بہترین علاج ہے۔(۴) شدید گرم موسم اور شدید پیاس کے لیے دہی کی لسی بنا کر بھی استعمال کی جاتی ہے۔ جو پانی کی کمی دور کرتی ہے اور تسکین دیتی ہے۔(۵)

---

(۱) مفید غذائیں دوائیں، (۲۰۱۱ء)، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان۔ ص ۱۱۶۔

(۲) سعیدہ غنی، (پروفیسر) و دیگر، غذا اور غذائیت، ص ۷۹۔

(۳) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، الیمامہ۔ ص ۱۲۰۹، رقم الحدیث: ۵۶۱۲۔

(۴) مفید غذائیں دوائیں، ص ۱۱۴۔

(۵) دنیاپوری، محمد یٰسین (حکیم)، (۲۰۱۱ء)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دنیاپور۔ ۱/ ۱۷۱۔

چھاچھ پینے سے دل کا عارضہ نہیں ہوتا بشرطیکہ اسے مکھن نکال کر استعمال کیا جائے۔ لسی کے اندر ایسے جراثیم ہوتے ہیں جن کی خاصیت ہے کہ وہ پیٹ میں جاتے ہی امراض پیدا کرنے والے جراثیم سے جنگ شروع کر دیتے ہیں اور ان پر غالب آجاتے ہیں۔ لہٰذا انسانی جسم مختلف بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے مرض سنگرہنی بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے بلکہ یہ مرض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ تندرست آدمی اگر لسی کا استعمال موسم کی مناسبت سے کرتا رہے تو مختلف امراض سے بچا رہتا ہے۔ اس کے استعمال سے ثقیل اور ناقابل ہضم غذائیں بھی ہضم ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس کے اندر کیلشیم، میگنیشیم، پروٹین، سوڈیم، فاسفورس، کلورین، سلفر وغیرہ جیسے معدنیات ہوتے ہیں۔ جس سے گوشت اور ہڈیوں کی پرورش ہوتی ہے۔

پنیر:

دودھ میں کھٹائی ڈال کر اسے گرم کریں تو دودھ پھٹ جاتا ہے اس کو کپڑے میں باندھ کر لٹکانے سے اس کا پانی نچڑ جاتا ہے اور خشک پنیر حاصل ہوتا ہے۔(۱) یہ چکنائی اور لحمیات سے بھرپور ہوتا ہے۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پنیر بھی تناول فرمایا ہے۔(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں: ”حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ’اقط‘ یعنی پنیر کو تناول فرمایا جسے دودھ سے مسکہ نکال کر جماتے ہیں یہ ترش اور سخت ہوتا ہے۔ پھر اسے پگھلا کر کھانوں اور سالنوں میں ڈالتے ہیں۔۔۔ اور حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ”جبن‘ تناول فرمایا“(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ:

”أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِجُبْنَةٍ فِي تَبُوكَ، فَدَعَا بِسِكِّينٍ، فَسَمَّى وَقَطَعَ“(۴)

”نبی کریم کی خدمت میں (غزوہ) تبوک کے موقع پر پنیر پیش کیا گیا آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے چھری منگوائی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے کاٹا“ جیسا کہ اوپر دہی کے ضمن میں ذکر ہوا، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پنیر اور گھی کو کھانے کے لیے درست قرار دیا ہے۔(۵)

---

(۱) آج پنیر کی بہت سی اقسام میں اس پنیر کو کاٹیج چیز کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے ذکر ہے۔

(۲) ان روایات معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مختلف قسم کا پنیر کھایا ہے۔ اس میں نرم بھی تھا اور سخت بھی۔ سخت اتنا ٹھوس تھا کہ اسے چھری سے کاٹنا پڑا۔ اس لیے ذیل میں پنیر کی دو مختلف مگر مشہور اقسام چیڈر (یہ بہت سخت حالت میں ہوتا ہے) اور کاٹیج (یہ نرم اور بھر بھرا ہوتا ہے اور گھریلو طور پر بنایا جاتا ہے) کے غذائی اجزا کے بارے تفصیل شامل کی گئی ہے۔

(۳) دہلوی، عبد الحق محدث (شیخ)، مدارج النبوت، ۲/۲۲۶۔

(۴) ابو داؤد، السنن، ص ۶۸۷، رقم الحدیث: ۳۸۱۹۔

(۵) ابن ماجہ، السنن، ص ۱۱۱۷، رقم الحدیث: ۳۳۶۷۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ:

''أَهْدَتْ خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ضِبَابًا وَأَقِطًا وَلَبَنًا، فَوُضِعَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَتِهِ، فَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُوضَعْ، وَشَرِبَ اللَّبَنَ، وَأَكَلَ الأَقِطَ''(۱)

"میری خالہؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوہ کا گوشت، پنیر اور دودھ ہدیتاً پیش کیا۔ اگر وہ حرام ہوتا تو آپ ﷺ کے دستر خوان پر گوہ کا گوشت نہیں رکھا جاسکتا تھا، آپ نے دودھ پیا اور پنیر کھایا"

(مگر گوہ کا گوشت تناول نہیں فرمایا) عہدِ رسالت مآب ﷺ میں کھجور سے حیس تیار ہوتا تھا۔ جسے کھجور کو گھی میں تلنے کے بعد پنیر ملا کر پکایا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے ایک پیالہ پنیر کھانے کے بعد تازہ وضو فرمایا:

''إِنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ مِنْ تَوْرِ أَقْطٍ''(۲)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مٹھاس پسند تھی۔ وہ مواہب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ شیرینی جسے نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے اس نام ''مَجِبْع'' تھا۔ یہ ایک قسم کی کھجور تھی جسے دودھ کے خمیر (ایک قسم کے پنیر) سے بنایا جاتا تھا(۳) ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شام و عراق میں پنیر کھایا۔

ابن قیم کے مطابق پنیر کا مزاج سرد تر ہے۔ نمک کے بغیر تازہ پنیر معدے کے لیے مفید ہے اور آسانی سے اعضائیں سرایت کر جاتا ہے، گوشت بڑھاتا اور معتدل انداز میں پاخانہ کو نرم کرتا ہے، زخموں کے لیے نافع ہے، دست روکتا ہے، سرد تر ہونے کی بنا پر اگر اسے بھون کر استعمال کیا جائے تو یہ معتدل ہو جاتا ہے کیونکہ آگ اسے معتدل بنا کر اس کی اصلاح کر دیتی ہے اور اسے زود ہضم، خوش ذائقہ، خوشبودار اور خوشگوار بنا دیتی ہے۔ نمکین پنیر میں تازہ پنیر کے مقابلے میں غذائیت کم ہوتی ہے اور وہ معدہ کے لیے بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔ آنتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ پرانا پنیر اور زیادہ پکا ہوا پنیر قبض پیدا کرتا ہے، لاغر کرتا ہے اور مثانہ و گردہ میں پتھری کا سبب بنتا ہے۔(۴)

---

(۱) بخاری، الصحیح، ص ۱۱۷۱، رقم الحدیث: ۵۴۰۲۔

(۲) بغوی، حسین بن مسعود، (۱۹۹۵ء)، الانوار فی شمائل النبی المختار، دار المکتبہ، دمشق۔ ۱/۲۲۶، رقم الحدیث: ۹۶۵۔

(۳) دہلوی، عبد الحق محدث، مدارج النبوت، ۲/ ۲۲۲۔

(۴) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۳۹۵۔

دنیا میں پنیر کی چار سو سے زائد اقسام مشہور ہیں۔ دودھ سے حاصل ہونے والی چیزوں میں دہی اور پنیر بآسانی ہضم ہو جاتے ہیں۔ پیٹ کی خرابی کے مریضوں کو ان سے تکلیف نہیں ہوتی۔ کمزوری اور بیماری کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرنے کے لیے پنیر ایک بہترین غذائی دوا ہے۔ کم چکنائی والا پنیر یرقان کے مریضوں کے لیے اکسیر ہے۔(۱) پنیر کے غذائی اجزا میں ایک خوش آئند بات چکنائی کی کمی اور لحمیات کی زیادتی ہے۔ یعنی پنیر کھانے سے جسم میں قوت آتی ہے، بیماری کا مقابلہ کرنے کے لیے لحمیات کی معقول مقدار میسر ہوتی ہیں اور کم چکنائی کی بدولت انسان کا وزن نہیں بڑھتا۔ کھجور کے ساتھ پنیر کو شامل کرنے سے اس کی غذائی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ جسمانی کمزوری کے لیے ایک مؤثر غذائی دوا بن جاتا ہے۔

پنیر بنانے کے عمل میں دودھ پھاڑنے کے عمل میں زرد رنگ کا پانی علیحدہ ہوتا ہے جسے عموماً فالتو سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ پانی ایک بہترین ٹانک ہے۔ اس میں دودھ کی تمام معدنیات اور حیاتین موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ کچھ مقدار میں لحمیات بھی باقی رہ جاتے ہیں۔ اسہال کا مریض بچہ جب کوئی غذا (یا دودھ بھی) ہضم نہ کر سکے اور دستوں کے ذریعے اس کے جسم سے پانی اور نمک خارج ہو گئے ہوں تو ایسے بچوں کے لیے پنیر کا بچا ہوا یہ پانی تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ نمکول میں صرف دو نمک موجود ہوتے ہیں۔ مگر پنیر کے اس پانی میں کئی نمک اور قدرتی مٹھاس شامل ہونے کی بنا پر یہ جسم میں جا کر فوری طور پر جزوِ بدن بن جاتا ہے اور پانی کی کمی کو دور کر دیتا ہے۔ قدیم اطباء بھی اس پانی کی افادیت سے بخوبی واقف تھے۔ طب کی متعدد کتابوں میں اس پانی افادیت کا ذکر ملتا ہے۔

پنیر کی اہم اقسام میں چیڈر (Cheddar) پنیر اور کاٹیج (Cottage) پنیر اہم اور تقریباً سب سے زیادہ استعمال ہونے والی اقسام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چیڈر پنیر انگلستان کی کاؤنٹی سمرسیٹ کے ایک گاؤں چیڈ ڈر سے نکلا تھا۔ یہ گائے کے دودھ سے بنتا ہے اور اس کی رنگت زردی مائل سفید ہے۔ اپنی ساخت میں یہ بہت ٹھوس اور سخت ہوتا ہے۔ استعمال کے لحاظ ست چیڈر پنیر تقریباً سب پنیروں سے لمبی زندگی رکھتا ہے یعنی اسے بہت لمبے عرصے تک محفوظ کیا اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات اس پنیر کو ساٹھ ماہ یعنی ۵ سال تک محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ برطانیہ میں مشہور تو ہے ہی، اسے ساری دنیا میں تیار کیا اور استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے مزید بہت سی اقسام میں تیار بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے ایک بنیادی جزو کیلشیم لیکٹیٹ کی وافر مقدار کی بنا پر اس کی ساخت میں ٹھوس پن یا سختی پائی جاتی ہے۔(۲)

---

(۱) خالد غزنوی، طب نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور جدید سائنس، ۲ / ۱۶۷-۱۶۸۔

(۲) ۲۰۲۰/۰۳/۱۴ ۔ موزریلا نیر اور چیڈر پنیر کے مابین فرق۔ طرز زندگی<you7behappy.com

پنیر کے غذائی اجزاء کو دیکھیں تو ایک کپ کش کئے ہوئے چیڈر پنیر (یا ۱۱۳ گرام) میں ۳۷ فیصد پانی، ۴۵۵ حرارے، لحمیات ۲۸ گرام، چکنائی ۳۷ گرام، کولیسٹرول ۱۱۹ ملی گرام، نشاستہ ایک گرام، کیلشیم ۸۱۵ ملی گرام، فولاد ۰.۸ ملی گرام، پوٹاشیم ۱۱۱ ملی گرام، سوڈیم ۷۰۱ ملی گرام، وٹامن الف ۱۱۹۷ بین الاقوامی اکائیاں، ب۱ (تھایامین) ۰.۰۳ ملی گرام، ب۲ (رائبو فلیون) ۰.۴۲ ملی گرام اور ب۳ (نیاسین / نیکوٹینک ایسڈ) ۰.۱ ملی گرام پائے جاتے ہیں۔(۱) تناسب تناسب کے لحاظ سے کولیسٹرول ۳۵ فیصد، جبکہ لحمیات کا تناسب ۵۰ فیصد ہوتا ہے۔ تجویز کردہ رزومرہ کی ضرورت کے مطابق نمکیات میں سے سوڈیم ۲۵ فیصد، پوٹاشیم ۲ فیصد، کیلشیم ۷۲ فیصد، آئرن ۳ فیصد اور میگنیشیم ۷ فیصد پائے جاتے ہیں اور تجویز کردہ رزومرہ کی ضرورت کے مطابق حیاتین میں سے حیاتین الف ۲۰ فیصد، ب۱۲ (کوبال من) ۱۳ فیصد، ب۶ (پیریڈوکسن) ۵ فیصد اور حیاتین (Calci Pherole) ۶ فیصد ملتے ہیں۔ اس میں موجود بیش بہا غذائی اجزا انسانی صحت کے لیے اہم اور ضروری اجز فراہم کرتے ہیں اور اسے صحت مند، توانا اور چست رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

بآسانی گھر پر بھی تیار کیے جانے والے پنیر کو کاٹیج پنیر کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ دودھ کو کٹھا کرکے یا پھاڑ کر اسے نچوڑ لیا جاتا ہے اور یوں کاٹیج پنیر (Cottage) یا گھریلو سادہ پنیر بنایا جاتا ہے۔ یہ بہت سی چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بغیر کسی ٹھوس شکل کے ایک بھر بھری اور دانے دار شکل میں بنتا ہے۔ لحمیات کی زیادتی اور چکنائی کی کمی کی بناپر اور کیلشیم کے ساتھ ایک اور اہم مائیکرو ویلیٹ، فارسفورس کی موجودگی کی بناپر اسے وزن کم کرنے والے افراد اور خصوصاً بچوں کے لیے بہت مفید قرار دیا جاتا ہے۔ سادہ کاٹیج پنیر کے غذائی اجزاء کو دیکھیں تو ایک کپ یا ۲۲۵ گرام پنیر میں ۲۳۳ حرارے، لحمیات ۲۸ گرام، چکنائی ۱۰ گرام، کولیسٹرول ۳۴ ملی گرام، نشاستہ ۶ گرام، کیلشیم ۱۳۵ ملی گرام، فولاد ۰.۳ ملی گرام، پوٹاشیم ۱۹۰ ملی گرام، سوڈیم ۹۱۱ ملی گرام، وٹامن الف ۳۶۷ بین الاقوامی اکائیاں، ب۱ (تھایامین) ۰.۰۵ ملی گرام، ب۱ (رائبو فلیون) ۰.۳۷ ملی گرام اور ب۳ (نیاسین) 0.3 ملی گرام پائے جاتے ہیں۔(۲) پنیر کی اس قسم میں حیاتین الف کا تناسب ۵ فیصد، نمکیات میں سے کیلشیم ۸ فیصد، میگنیشیم ۲ فیصد، فارسفورس ۲۳ فیصد، پوٹاشیم ۲ فیصد، سوڈیم ۲۴ فیصد اور زنک ۴ فیصد پائے جاتے ہیں۔

(1) Susan E.Gebhrdt & Robin G Thomas, Nutritive Value of Foods, Beltsvilla. Maryland: U. S. Department of Agriculculture, Agriculture Research Service.p16-17

(2)Susan E.Gebhrdt & Robin G Thomas, Nutritive Value of Foods, p18-19

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ نے دودھ کو اولین غذا بنایا۔ جس سے انسان کے لیے اس کی ضرورت اور اہمیت کا معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کچھ حلال جانوروں کے دودھ نوش فرمائے اور کئی کی باقاعدہ تعریف اور توصیف بھی فرمائی اور ان کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر فرمایا۔ جدید تحقیق اور علم غذائیت کی روشنی میں جانچنے سے ان جانوروں کے دودھ کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کھل کر سامنے آتی ہیں۔ آج کی بے حد مصروف زندگی میں انسان دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ ساتھ اپنی صحت سے متعلق بنیادی مسائل سے بھی دوچار ہے۔ دودھ جو کہ انسانی خوراک کا ایک بنیادی اور اولین جزو ہے، اگر اسے نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کی پیروی اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں استعمال کیا جائے کہ آج غذائی سائنسی تحقیقات بھی ان کی ضرورت و افادیت کی گواہی دے رہی ہیں، تو صحت کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم

۲. احمد بن حنبل، (۱۴۲۱ھ)، المسند، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، لبنان

۳. بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، دار ابن کثیر، یمامہ

۴. حاکم، محمد بن عبداللہ، (۱۴۱۱ھ)، المستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۵. خالد غزنوی، (ڈاکٹر)، (س۔ن)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

۶. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۴۱۷ھ)، السنن، مکتبۃ المعارف، الریاض

۷. دہلوی، عبدالحق محدث، (۲۰۱۲ء)، مدارج النبوت، مترجم: غلام معین الدین، مکتبہ اعلی حضرت، لاہور

۸. دنیاپوری، محمد یٰسین، (حکیم)، (۲۰۱۳ء)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دیناپور

۹. دنیاپوری، محمد یٰسین، (حکیم)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دنیاپور

۱۰. سعیدہ غنی، (پروفیسر) ودیگر، (۲۰۱۳ء)، غذا اور غذائیت، آزاد بک ڈپو، لاہور، پاکستان

۱۱. طبرانی، سلیمان بن احمد، (۱۴۱۵ھ)، المعجم الکبیر، باب مسند عبداللہ بن مسعود، دار الصمیعی، الریاض

۱۲. ابن القیم، ابوعبداللہ ابن القیم، (س۔ن)، طب نبوی، اسلامی کتب خانہ، لاہور

۱۳. ابن ماجہ، محمد بن یزید، (س۔ن)، دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ

۱۴. مسلم، مسلم بن حجاج، (س۔ن)، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۱۵. نسائی، احمد بن شعیب، (۱۴۱۲ھ)، السنن الکبریٰ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

لفظ زیور کے معنوی و شرعی اطلاقات

(ایک تحقیقی مطالعہ)

The literal and legal applications of the word jewellery

☆ محمد شفیق

☆☆ ڈاکٹر غلام حسین

ABSTRACT

A person uses many words day and night, some of which are meaningful and some of which are meaningless and then some meaningful words contain only literal meanings. While some meaningful words are used with a literal meaning, as well as a term that is why knowing the literal meaning of a word alone does not lead to perfect knowledge of the word. Therefore, it is important to know the literal meaning of the word, as well as the terminological meaning of the word, so that a complete understanding of the meanings and connotations of the word can be obtained. One of the words spoken in our environment and society is the word ornament which is used as a term as well as giving many literal meanings. For example, any thing that makes a person look beautiful in the eyes of others by using or adopting it is an ornament, usually it is a garment or something made of metals, minerals or diamonds or a person is adorned with ornaments of knowledge or good manners and be adorned with good deeds, all is adornment. Because just as a person becomes beautiful in the eyes of others by embellishing things made of gold and silver and other metals and diamonds and jewels, so also a person becomes beautiful in the eyes of others by adornment with knowledge and good morals and deeds. This article is an attempt to review the lexical and terminological applications of the word ornament.

Keywords: Jewelry, Islam, Hadith, Tradition, Culture

اللہ تبارک و تعالی نے بننے، سنورنے اور خوبصورت دکھائی دینے کو روز اول سے انسان کی فطرت و جبلت میں ودیعت کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہر خوبصورت چیز کو پسند کرتا ہے اور خود خوبصورت بننے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ پی ایچ،ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور۔

☆☆ ایلیمنٹری ٹیچر، دلہکے مہار، بصیر پور (اوکاڑہ)

اس فطری جذبے کے تحت خوبصورتی کے حصول کے لیے لباس کے ساتھ، ساتھ صدیوں سے زیورات کا استعمال کرتا چلا آرہاہے لھذا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ زیور کے استعمال کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے۔ جتنا کہ خود انسان قدیم ہے، بھلے اس کی ہیئت کذایہ اور شکل و صورت کیسی ہی ہو۔ قرآن کریم نے موسی علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے زیورات کے استعمال کی تاریخ کی طرف اشارہ فرمایاہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَى مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ﴾(۱)

"اور موسی علیہ السلام کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر جانے کے بعد) اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا (جو) ایک مجسم تھا، اس کی آواز گائے کی تھی۔"

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب موسی علیہ السلام، اللہ سے شرف ہم کلامی کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے پیچھے سے آپ کی قوم نے فرعونیوں سے مانگے ہوئے زیورات کا بچھڑا بنا لیا جو گائے کی آواز نکالتا تھا۔ تو وہاں بین السطور یہ بات بھی واضح طور پر ثابت ہوئی ہے کہ موسی علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں میں زیورات کے استعمال کا عام رواج تھا اور وہ لوگ زیورات کو خوشی کے مواقع، مثلا عید اور شادی، بیاہ وغیرہ پر پہنتے تھے۔

تاریخی حوالہ جات کے مطابق جناب موسی علیہ السلام کا زمانہ مبارک ۱۴۴۹ تا ۱۵۵۱ قبل مسیح (۲) ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیگر تاریخی حوالہ جات کو درست تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی یہ بات واضح ہے کہ جناب موسی علیہ السلام کے زمانہ میں اہل مصر اور آس پاس کے علاقوں مثلا عراق، یونان وغیرہ میں زیورات کے استعمال کا عام رواج تھا۔

قدیم مذہبی کتب، تاریخ اور آثار قدیمہ سے حاصل ہونے والی معلومات بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتداء میں انسان نے نباتات، پھولوں اور خوشبودار گھاس کو تزئین و آرائش کے لیے بطور زیور استعمال کرنا شروع کیا۔ پھر معدنیات کی دریافت کے بعد انسان مختلف دھاتوں کو بطور زیور استعمال کرنے لگا جس سے زیورات کی تیاری نے ایک صنعت کی صورت اختیار کر لی اور اس میں نئی تکنیکوں اور مہارتوں کے تعارف کی بدولت زیورات سازی کے فن کو اک نئی جہت حاصل ہوئی۔ پھر رفتہ، رفتہ انسان کے عقیدہ میں یہ بات شامل ہوگئی کہ ہیرے، جواہرات غیر مرئی طاقتوں کا مظہر اور محل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان سونے اور چاندی اور دیگر دھاتوں کے زیورات کے ساتھ، ساتھ اپنے اعتقاد کی

---

(۱) سورۃ الاعراف، ۷/۱۴۸

(2) 7000YEARS OF JEWELRY,EDITED BY HUGH TAIT,A Firefly Book/ 11

ترویج واشاعت کے لیے پتھر اور ہیرے ،جواہرات کو بطور ضرورت استعمال کرنے لگا۔ پھر جب انسان نے پتھر کی تراش وخراش کا فن سیکھ لیا تو مختلف معدنیات کے ساتھ ،ساتھ پتھر بھی بطور زیور استعمال ہونے لگے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں شیشہ کی مصنوعات کا آغاز ہوا تو مختلف دھاتوں اور ہیرے جواہرات ،کے ساتھ شیشہ بھی زیورات کی تیاری میں استعمال کیا جانے لگا جس سے زیورات کی صنعت میں مزید نفاست اور خوبصورتی پیدا ہو گئی ۔پھر ایٹمی عناصر کی ایجاد ،معاشرتی رکاوٹوں کے خاتمے اور مختلف ثقافتوں کے ملاپ سے زیورات کے ڈیزائن کی مختلف انواع نے جدیدیت کے میدان میں اس قدر ترقی حاصل کر لی کہ عصر حاضر میں زیورات جسمانی آرائش کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے ہیں۔شخصیت اور خوبصورتی کے اظہار کے لیے زیورات کا استعمال اس قدر عام ہو گیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، عربی ہو یا عجمی، پاکستانی ہو ایرانی، یورپی یا افریقی ہر ایک زیور پہننا پسند کرتا ہے۔

البتہ زیور پہننے کے طور، طریقے ہر ملک اور قوم کے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مختلف اقوام میں لفظ زیور کی تعبیرات و تشریحات بھی دوسری قوم سے مختلف اور جدا ہو سکتی ہیں یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک چیز کا استعمال کسی ایک قوم کے ہاں بطور زیور ہو اور دوسری قوم کے ہاں وہی چیز بلحاظ عقیدہ استعمال ہو رہی ہو۔ چنانچہ اسلام میں زیور سے کیا مراد ہے یا بہ الفاظ دیگر اسلام میں لفظ زیور کا اطلاق کس چیز پر کیا جاتا ہے زیر نظر مضمون اسی بات کی وضاحت کے لیے ھدیہ قارئین کیا جارہا ہے جس میں اس چیز کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا کہ اسلام میں زیور کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے ؟ کیونکہ یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ کسی لفظ کے محض لغوی معنی جان لینے سے اس لفظ کی کامل معرفت حاصل نہیں ہو سکتی لیکن کسی بھی لفظ کے لغوی معنی جانے بغیر اس کے صحیح معنی و مفہوم کا ادراک بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی بھی لفظ کے لغوی معنی کا تعلق اس لفظ کے مادہ اور اصل(Origin) کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی مادہ واصل پر مصدر اور اس کے تمام مشتقات کے معانی کا انحصار ہوتا ہے۔ مادہ اور اصل سے جتنے بھی لفظ نکلتے ہیں ہر ایک میں اسی مادہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً "ضرب، ضارب، مضروب، مضراب" وغیرہ کے تمام مشتقات میں مارنے کا معنی و مفہوم موجود ہے، لھذا کسی بھی لفظ کی معرفت کے لیے اس لفظ کے لغوی اشتقاقات کا جاننا بھی نہائیت ضروری ہے۔

اردو زبان میں بولا جانے والا لفظ، زیور اپنی اصل کے اعتبار سے فارسی زبان کا لفظ ہے جبکہ عربی زبان میں اس کے لیے" حلیة" کا لفظ مستعمل ہے اور انگریزی زبان میں اس کے لیے"Jewelry"کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

صاحب فیروزاللغات نے لفظ زیور کی معنوی تحقیق مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔

ا۔زیور بمعنی زیب دینے والا

۲۔زیور بمعنی گہنا پاتا (زیب آور کا مخفف)جمع زیورات۔(۱)

فارسی زبان میں لفظ زیور کے صرف مذکورہ بالا معانی ہی بیان کیے گئے ہیں جبکہ عربی زبان میں اس کے لیے "حلیة "کا لفظ مستعمل ہے جو لغت عرب میں وسیع تر معنی ومفہوم کے لیے بولا جاتا ہے۔ لہذا لفظ زیور کے معنوی اطلاقات کو بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں زیور کے لیے استعمال ہونے والے لفظ"حلیة" کا معنی ومفہوم جاننا ضروری ہے۔ زیر نظر تحقیق کا مطلوب ومقصود قرآن واحادیث اور لغت عرب کی روشنی میں لفظ زیور کے معنوی اطلاقات کا تحقیقی مطالعہ ہے جو عربی زبان میں زیور کے لیے استعمال ہونے والے لفظ "حلیة" کا معنی ومفہوم جانے بغیر ناممکن ہے۔مندرجہ ذیل سطور میں لفظ " حلیة "کا معنی ومفہوم پیش کیاجارہاہے تاکہ لفظ "حلیة"کے ذریعہ زیور کے معنوی اطلاقات کوواضح کیاجاسکے۔

لفظ"حلیة"کامادہ اشتقاق اور اصل"ح،ل،ی"یعنی"حلی" ہے جو تائے تانیث ملحقہ کے ساتھ "حِلْیَةٌ"بروزن"فِعْلَۃ"اور تائے تانیث ملحقہ کے بغیر"فا"کلمہ کے فتحہ کے ساتھ"حَلْیٌ"بروزن"فَعْلٌ"اور"فا"کلمہ کے کسرہ کے ساتھ "حِلْی" بروزن" فِعْلٌ" اور "فا"کلمہ کے ضمہ کے ساتھ "حُلَی" بروزن" فُعْلٌ" مستعمل ہے۔ حلیۃ اور حلی ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے تمام ابواب میں بطور اسم اور بطور مصدر مستعمل ہے اور خاصیات ابواب کے مختلف ہونے کے باعث مختلف متعدد معانی رکھتاہے۔

چنانچہ ابن منظور، مرتضی زبیدی، راغب اصفہانی، لوئیس مالوف وغیرہم ائمہ لغت نے لفظ"حلی"اور"حلیة" کے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔

مثلا: لفظ"حَلْی"فا،کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مندرجہ ذیل معانی کے لیے آتاہے۔

۱۔" الحلي: ما تُزين به من مصوغ المعدنيات أو الحجارة"(۲)

"معدنیات اور پتھر سے بنی ایسی چیز جس سے زینت حاصل کی جائے۔"

۲۔" الحلي: كل حلية حليت بها امرأة أو سيفا و نحوه"(۳)

"ہر ایسی آرائش وزیبائش جس کے ذریعہ توعورت یاتلواروغیرہ کو آراستہ کرے۔"

لفظ"حِلْیَةٌ"فاکلمہ کے کسرہ اور تائے ملحقہ کے ساتھ مندرجہ ذیل معانی کے لیے آتاہے۔

---

(۱)فیروزالدین، مولوی،(س۔ن)، فیروز اللغات، اردو، فیروزسنز، لاہور۔ ص:۵۸۷۔

(۲)ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، ابوالفضل، الافریقی،(س۔ن)، لسان العرب، دار صادر، بیروت۔ ۱۴/ ۱۹۴

(۳)ایضا، ۱۴/ ۱۹۵

۱۔"الحلية: هو اسم لكلّ ما يُتزين به من مصاغ الذهب والفضة"(۱)

”سونے،چاندی سے بنی ہر ایسی چیز،جس سے زینت حاصل کی جائے زیور ہے۔“

۲۔ حلیۃ بمعنی زیور

۳۔ حلیۃ بمعنی زیب وزینت

۴۔ حلیۃ بمعنی چمک ودمق

۵۔ حلیۃ بمعنی شکل و صورت،عادت و خصلت

لفظ "حلیۃ" کے مذکورہ بالا تمام معانی قرآن و حدیث، عربی شاعری اور محاورات عرب میں کثرت سے مستعمل ہیں۔

پہلا معنی: حلیۃ: بمعنی زیور

اس معنی کے اطلاقات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرآنی اطلاقات:

لفظ حلیۃ کے معانی میں "حلیۃ" بمعنی زیور کو مرکزیت حاصل ہے اور قرآن کریم میں یہ لفظ اس معنی میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً عورت جوان ہو یا بوڑھی اس کی جبلت و فطرت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ وہ ہر وقت زیور پہننا پسند کرتی ہے قرآن کریم نے عورت کی اسی جبلت و فطرت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾(۲)

”یاوہ جو زیور میں پرورش پائے۔“

اسی معنی کو قرآن کریم دوسرے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ ﴾(۳)

(انہوں نے) اپنے زیورات سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنالیا۔

---

(۱) ایضاً، ۱۴/ ۱۹۵

(۲) سورۃ الزخرف، ۴۳/ ۱۸

(۳) سورۃ الاعراف، ۷/ ۱۴۸

زیور کے حصول و استخراج کا سب سے بڑا ذریعہ زمین اور سمندر ہے، قرآن کریم نے لفظ زیور اسی معنویت کو بیان کرتے ہوئے کہا:

﴿تَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ﴾(۱)

اور تم اس(سمندر) سے زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا﴾(۲)

اور زیور(جن میں موتی، مرجان اور مونگے وغیرہ سب شامل ہیں) نکالتے ہو۔

۲۔ نبوی اطلاقات:

احادیث رسول ﷺ سے یہ بات ثات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے متعدد مواقع پر لفظ "حلیة" کو زیور کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ مثلا:

آپ ﷺ نے ایک صحابی کو لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو ازراہ تعجب ارشاد فرمایا:

"مَا لِی أَرَی عَلَيْکَ حِلْية أهل النَّار"(۳)

"مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے گھر کی بچیوں کو زیور پہناتے ہوئے بھی اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"فکان رسول الله ﷺ يحلينا الذهب واللؤلؤ"(۴)

"رسول کریم ﷺ ہمیں سونے اور موتیوں کا بنا ہوا زیور پہنایا کرتے تھے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے باوضو رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بھی اس لفظ کا استعمال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"تبلغ الحلية من المؤمن حيث يبلغ الوضوء"(۱)

---

(۱)سورۃ النحل،۱۶/ ۱۴

(۲)سورۃ فاطر،۳۵/ ۱۲

(۳)ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی،(س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۴/ ۹۰، رقم:۴۲۲۳

(۴)بیہقی، احمد بن حسین،(۱۹۹۴ء)، السنن الکبری، مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمہ۔ ۴/ ۱۴۱، رقم:۷۳۵۲

”مومن کے اعضاء میں وہاں تک زیور پہنایا جائے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچے گا۔“

۳۔شعری اطلاقات:

لفظ "حلية" کو زیور کے معنی میں عرب شعراء نے بھی کثرت سے استعمال کیا ہے، جب کبھی اور جہاں کہیں کسی ایسے حسین چہرے کو دیکھا کہ جس کے حسن کو اس کے زیور نے چار چاند لگا دیئے تو شعرائے عرب نے محبوب کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس چیز کو بھی کو موضوع سخن بنایا جو محبوب کے حسن میں اضافہ کا باعث بنی۔

مندرجہ ذیل شعر اسی معنی کی عکاسی کرتا ہے:

"كأَنها مِنْ حُسُنٍ وشارةْ والحَلْيِ حَلْيِ التِّبْرِ والحِجاره"(۲)

”گویا کہ وہ (محبوبہ) بلوری حسن والی ہے، جو سونے اور ہیرے، جواہرات کے زیور سے آراستہ ہے۔“

اسی طرح اغلب عجلی کا یہ شعر بھی حلیۃ بمعنی زیور کی تائید کرتا ہے:

"جارِيةٍ من قيْسٍ بنِ ثَعْلَبه بَيْضاءُ ذاتُ سُرَّة مُقَبَّبة كأَنها حِلْيةُ سَيْفٍ مُذهبة"(۳)

”قیس بن ثعلبہ کی گوری رنگت والی ایک لونڈی ہے جو اپنے گنبد نما جسم سے لوگوں کو خوش کرتی ہے، گویا کہ وہ سونے کے پانی سے آراستہ کی ہوئی ایک تلوار ہے۔“

دوسرا معنی: حلية بمعنی زیب وزینت

لفظ حلية کی لغوی تحقیق کے دوران جو معانی نچوڑ اور مغز کے طور پر سامنے آئے، ان میں سے دوسرا معنی زیب وزینت ہے۔حلية بمعنی زیب و زینت، قرآن و احادیث اور لغت عرب یہ لفظ اس معنی میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

ا۔قرآنی اطلاق:

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے اھل جنت کی شان و شوکت بیان کرتے ہے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾(۴)

”وہ اس (جنت) میں سونے کے کنگنوں سے مزین کیے جائیں گے۔“

---

(۱) مسلم، مسلم بن الحجاج، (س۔ن)، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔۱/۲۱۹، رقم:۲۵۰

(۲) ابن منظور افریقی، لسان العرب۔۱۴/۱۹۴

(۳) ایضا

(۴) سورۃ الکھف، ۱۸/۳۱

مذکورہ آیت میں لفظ حلية زیب و زینت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ اھل جنت کو جنت میں زیور پہنانے کا مقصد جنتیوں کے حسن و جمال میں اضافہ کرنا اورانہیں آراستہ کرنا ہے اور آراستہ و پیراستہ کرنے کا دوسرا نام زیب وزینت ہے۔

۲۔ نبوی اِطلاق:

لفظ "**حلية** "کو زیب و زینت کے معنی میں بعض مواقع پر نبی کریم ﷺ نے بھی استعمال فرمایا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

"كَانَ يُحَلِّينا رِعاثاً مِنْ ذَهبٍ ولُؤْلُؤ "(۱)

”رسول کریم ﷺ ہمیں سونے اور موتیوں کی بنی بالیوں سے زینت دیا کرتے تھے۔“

۳۔ محاورات عرب میں حلية بمعی زیور کا استعمال:

جب کوئی شخص کسی ایسی چیز کو زیب تن کرلے جس کا وہ اھل نہ ہو تو اھل عرب اس وقت محاورۃ کہتے ہیں:

"تَحَلّی فلان بما ليس فيه"(۲)

”فلاں نے اپنے آپ کو ایسی چیز سے آراستہ کیا جس کا وہ اھل نہیں۔“

تیسرا معنی: حلية بمعنی چمک ودمک

لفظ حلية کا ایک معنی چمک و دمک ہے اوراس معنی میں اس لفظ کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی استعمال فرمایاہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"أمتي يوم القيامة غر من السجود محجلون من الوضوء"(۳)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے لوگوں کی پیشانیاں سجدوں اور (کثرت) وضو کی وجہ سے چمکتی ہوں گی۔ دوسری حدیث میں ہے:

”عن أبي حازم قال كنت خلف أبي هريرة وهو يتوضأ للصلاة فكان يمد يده حتى تبلغ إبطه فقلت له يا أبا هريرة ما هذا الوضوء فقال يا بنى فروخ أنتم ها هنا لو علمت أنكم ها

---

(۱) بیہقی، السنن الکبری، حدیث نمبر:۷۵۶۱

(۲) زبیدی، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق، (س۔ن)، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایۃ۔۳۷:۳:۴۷۳

(۳) ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار احیاء التراث العربی، بیروت. ۵۰۵/۲، رقم:۶۰۷

هنا ما توضأت هذا الوضوء سمعت خليلي ﷺ يقول تبلغ الحلية من المؤمن حيث يبلغ الوضوء"(۱)

"حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا تھا اور وہ نماز کے لئے وضو کررہے تھے۔ انہوں نے دھونے کے لیے اپنا ہاتھ دراز کیا حتی کہ بغل تک دھویا۔ میں نے عرض کیا اے ابوہریرہ، یہ کیسا وضو ہے انہوں نے فرمایا، اے بنی فروخ، تم یہاں ہو۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم یہاں ہو تو میں اس طرح وضو نہ کرتا۔ میں نے اپنے خلیل ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کو اعضائے وضو کی چمک تک زیور پہنایا جائے گا۔"

تیسری حدیث میں ہے:

" أن عبد الله بن مسعود قال قيل يا رسول الله كيف تعرف من لم تر من أمتك قال غر محجلون بلق من آثار الوضوء "۔(۲)

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ انہوں کہا کہ رسول کریم ﷺ سے عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ ﷺ: آپ اپنے اس امتی کو کیسے پہچانیں گے جس کو آپ ﷺ نے دیکھا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: آثار وضو سے ان کی پیشانیاں چمکدار ہوں گی۔"

یعنی قیامت کے دن امت مصطفی ﷺ کے اعضائے وضو کثرت وضو کی وجہ سے چمکتے ہوں گے جس سے وہ دوسرے لوگوں اور امتوں سے الگ تھلگ نظر آئیں گے اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اپنی امت کے ان افراد کو پہچان لیں گے جن کو آپ ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ کا زمانہ میسر نہیں ہوا گا۔

چوتھا معنی: حلية بمعنی شکل و صورت، عادت و خصلت

"حلية" بمعنی شکل و صورت اور عادت و خصلت بھی لغت عرب میں مستعمل ہے جیسا کہ امام ابو نعیم اصفہانی کی مشہور زمانہ کتاب کا نام "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ہے۔ انہوں نے لفظ **حلية** کو شکل و صورت کے معنی میں لیتے ہوئے یہ نام رکھا ہے۔ اسی طرح ابن منظور افریقی نے **حلية** کے معانی میں ایک معنی شکل و صورت بھی بیان کیا ہے۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"الحِلْيَةُ: الصِفَةُ والصُورة"۔(۱) یعنی حلية بمعنی شکل و صورت۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/۲۱۹، رقم: ۲۵۰

(۲) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۰۴، رقم: ۲۸۴

اسی طرح مرتضی زبیدی نے بھی حلیة بمعنی شکل وصورت لکھا ہے۔

مرتضی زبیدی لکھتے ہیں:

"الحِلْية، بِالْكَسْرِ الخِلْقة والصُّورة والصِّفَة"(۲)

"یعنی لفظ حلیۃ کسرہ کے ساتھ ہو تو خلقت اور شکل وصورت کا معنی دیتا ہے۔"

پانچواں معنی: حلية بمعنی اچھا لگنا، دل میں بس جانا

لفظ حلية کے متعدد معانی میں سے ایک معنی ہے کسی کو اچھا لگنا یا کسی کے دل میں بس جانا۔ لغت عرب میں یہ لفظ اس معنی میں بھی مستعمل ہے۔

ابن منظور افریقی اس معنی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حَلِيَ فُلَانٌ بِعَيْنِي"(۳)

یعنی فلاں میری آنکھوں میں رچ، بس گیا۔

مندرجہ بالا معنی کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل قول سے بھی ہوتی ہے:

"لكنهم حليت الدنيا في أعينهم"(۴)

"دنیا کی محبت ان کی نگاہوں میں رچ، بس گئی۔"

اسی طرح زاجر کا یہ شعر بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے:

"اِنَّ سِرَاجاً لَكَرِيمٌ مَفْخَره   تَحْلَى به العَيْن إِذَا مَا تَجهره"(۵)

"بیشک وہ ایسا قابل فخر، مہربان وسخی چراغ ہے جب وہ ظاہر ہوا تو آنکھوں میں رچ، بس گیا"

مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ لفظ حلیۃ کے متعدد معانی ہیں جن میں ایک معنی زیور ہے اور اس معنی میں اس لفظ کا استعمال قرآن و حدیث اور لغت عرب میں کثیر ہے۔ قرآن میں اللہ تبارک وتعالی نے مختلف پیرائے کے ساتھ، مثلا کبھی "يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَة" فرما کر اور کہیں "حُلِيِّهِمْ" فرما کر اور کہیں "حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا" فرما کر اس لفظ کا

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب: ۱۹۶:۱۴۔

(۲) زبیدی، تاج العروس، ۳۷:۳۷۳۔

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۹۶:۱۴۔

(۴) ابن الاثیر، مجد الدین بن محمد، الشیبانی، (۱۹۷۹ء)، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت۔ ۱/ ۴۳۵

(۵) لسان العرب، ۱۴/ ۱۹۶

استعمال فرمایاہے۔ایسے ہی نبی کریم نے بھی اس لفظ کو مختلف مواقع پر اسی معنی میں استعمال فرمایا جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر "حِلْيَةَ أَهْلِ النَّار" فرماکر اس لفظ کی مذکورہ معنویت کو واضح فرمایااور دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے "يُحَلِّينَا تَبْلُغُ الحِلْيَة" فرماکر اس کی معنویت کواجاگر فرمایا۔لغت عرب میں بھی اس کا استعمال کثیر ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں تفصیلا گزر چکا ہے۔

لفظ زیور کا اصطلاحی معنی:

سابقہ سطور میں لفظ زیور کی لغوی تحقیق سے واضح کیا جا چکا ہے کہ ہمارے ماحول و معاشرہ میں بولا جانے والا لفظ زیوراپنی اصل کے اعتبار سے فارسی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کے لیے "حلية" کا لفظ مستعمل ہے اور لفظ "حلية" متعدد معانی کے لیے آتاہے اور اس لفظ کے اسی معنوی تعدد کے پیش نظر ہر طبقہ کے علمائے کرام نے لفظ "حلية" کے اصطلاحی معنی متعین کرنے کے لیے اپنے،اپنے ذوق کے مطابق اس لفظ کی مختلف اصطلاحی تعبیرات وتعریفات بیان کی ہیں، کیونکہ کسی بھی لفظ کے اصطلاحی معنی کا تعین اھل زبان کے استعمال سے وابستہ ہوتا ہے اھل زبان لفظ کو جس معنی لیں گے وہی لفظ کا مرادی معنی ہوتا ہے یہ الگ بات کہ علاقہ اور زمانہ بدل جانے سے الفاظ کے مرادی معنی بدل جاتے ہیں یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک لفظ سے ایک علاقہ اور زمانہ میں جو معنی مراد لیا جاتا ہو دوسرے علاقے اور زمانہ میں اسی لفظ سے کوئی دوسرا معنی مراد لیا جاتا ہو۔پھر معنی کے تعین میں قرآن واحادیث کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے بلکہ قرآن و احادیث نے لفظ کو جس معنی میں لیا ہو وہی معنی صحیح بلکہ اصح ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات علمائے لغت،اصولیین،مفسرین اور فقہاء کے مابین الفاظ کی تعبیرات وتعریفات مختلف ہوتی ہیں۔ذیل میں پہلے نمبر پر ائمہ لغت کا بیان کردہ لفظ زیور کا اصطلاحی معنی بیان کیائے گا دوسرے نمبر پر مفسرین اور تیسرے نمبر پر فقہاء کا بیاں کردہ معنی و مفہوم بیان کیا جائے گا۔

ائمہ لغت کے نزدیک زیور کا معنی ومفہوم:

ابن منظور افریقی نے زیور کی مندرجہ ذیل تعریفات بیان کی ہیں:

۱ – الحَلْيُ: مَا تُزُيِّنَ به مِنْ مَصوغِ المَعْدِنِيَّاتِ أَو الحجارة"(۱)

معدنیات یاپتھروں سے بنائی گئی ایسی چیزوں کوزیور کہتے ہیں جن کے ذریعے زینت حاصل کی جاتی ہے۔

۲۔"الحلية: هوَ اسْمٌ لِكُلِّ مَا يُتَزَيَّن به مِنْ مَصَاغِ الذَّهب وَالْفِضَّة"(۲)

---

(۱)لسان العرب،۱۴/ ۱۹۴

(۲)ایضاً ۔

"سونے اور چاندی سے بنی ہوئی ہر وہ چیز زیور ہے جس کے ذریعے زینت اختیار کی جائے۔"

معجم لغۃ الفقہاء کے مصنف نے زیور کی تعریف کرتے کہا:

۳ - "الحلية: ما يتزين به من الحجارة والمعادن المصوغة"(۱)

"پتھروں اور معدنیات سے بنائی گئی ایسی چیزیں زیور کہلاتی ہیں جن کے ذریعے زینت حاصل کی جاتی ہے۔"

محمود عبد الرحمن زیور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۴ - "الحلى:ما تتحلى به المرأة من جلجل وسوار، وتتزين به من ذهب أو فضة أو غير ذالك"(۲)

"بالیاں اور کنگن وغیرہ جس کو عورت پہنتی ہے زیور ہے، اور سونا و چاندی وغیرہ جس کے ذریعے زینت حاصل کی جائے زیور ہے۔"

مفسرین کے نزدیک زیور کا اصطلاحی معنی و مفہوم:

ائمہ لغت کی طرح مفسرین کرام نے بھی اپنے ذوق کا اظہار کرتے ہوئے زیور کی مختلف تعبیرات و تعریفات بیان کی ہیں چنانچہ علامہ محمود آلوسی زیور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الحلى: هو ما يتخذ للزينة ويتحلى به من الذهب والفضة"(۳)

"جو چیز بطور زینت اختیار کی جائے زیور ہے اور زیور سونا اور چاندی سے بنی ہوئی چیز سے حاصل ہوتا ہے۔"

ہر مسئلہ کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرنے والے امام رازی زیور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَلْحُلِيُّ: اسْمُ مَا يُتَحَسَّنُ به مِنَ الذّهب وَالْفِضَّة"(۴)

"سونے و چاندی سے بنی ہر ایسی چیز کو زیور کہتے ہیں جس سے خوبصورتی حاصل کی جائے۔"

علامہ محمود نسفی نے زیور کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"الحلى: هو اسم ما يحسن به من الذهب والفضة"(۵)

---

(۱) قلعجی، محمد رواس، قنیبجی، حامد صادق، (س۔ن)، معجم لغۃ الفقہاء، دار النفائس۔۱:۵۹۳۔

(۲) محمود، عبد الرحمن، (س۔ن)، معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیۃ، دار الفضیلۃ۔۱:۵۹۳۔

(۳) آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید، (دون السنہ)، روح المعانی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔۹/۶۲

(۴) رازی، محمد بن عمر الحسن بن الحسین، (س۔ن)، مفاتیح الغیب، دار الفکر، بیروت۔۱۵:۶۔

(۵) نسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود، (س۔ن)، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، دار النفائس، بیروت، لبنان۔۱:۲۰۵۔

”سونے وچاندی سے بنی ہر ایسی چیز کو زیور کہتے ہیں جس سے خوبصورتی حاصل کی جائے۔“

علامہ ابو حفص سراج الدین زیور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الحَلْيُ: اسم لما يُحَسَّن به من الذَّهب والفضة"(۱)

”سونے وچاندی سے بنی ہر ایسی چیز کو زیور کہتے ہیں جس سے خوبصورتی حاصل کی جائے۔“

علامہ اسماعیل حقی نے زیور کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"الحلية: ما يتحلى به الإنسان وبتزين وبالفارسية آرايش"(۲)

”حلیہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان آرائش وزیبائش اور زینت حاصل کرے اور فارسی میں اس کو آرائش دینا کہتے ہیں۔“

محقق العصر، علامہ محمد الامین بن عبد اللہ، الارمی، الشافعی، المصری نے زیور کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا:

"الحلية: ما يتحلى به الإنسان ويتزين"(۳)

”جس چیز کے ذریعے انسان اپنے آپ کو سنوارے اور خوبصورتی حاصل کرے زیور ہے۔“

فقہاء کے نزدیک زیور کا اصطلاحی معنی ومفہوم:

علوم دینیہ میں فقہ کی مثال ایسے ہے جیسے دودھ میں مکھن۔یعنی جیسے دودھ کا جوہر اور مغز مکھن ہے ایسے ہی قرآن واحادیث کا جوہر اور مغز فقہ ہے اور قرآن واحادیث نُما دودھ سے، اس مکھن کو نکالنے والا فقیہہ کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ احکام شرعیہ سے متعلقہ چیزوں کی تعریفات وتعبیرات میں فقہاء کی بیان کردہ تعریفات وتعبیرات کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کی تعریف وتعبیر بیان کرتے وقت فقیہہ کی مجتہدانہ نظر قرآن واحادیث کے ساتھ ساتھ، لغت عرب، تعامل صحابہ، آثار صحابہ اور تعامل ناس پر بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے بعض اوقات فقہاء کے مابین بعض مسائل میں اختلاف ہوجاتا ہے۔زیور کی اصطلاحی تعریف بھی ان اشیاء میں سے ہے جن پر فقہاء نے اپنے، اپنے ذوق کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مثلا: صاحب "العناية" نے زیور کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"الحَلْيُ: هو مَا يَتَحَلَّى به النِّسَاءُ مِنْ ذهبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ جَوهرٍ"(۴)

---

(۱)ابن عادل، ابو حفص عمر بن علی بن عادل، (س۔ن)، اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔۹:۳۱۵۔

(۲)اسماعیل حقی، (س۔ن)، روح البیان، دار الفکر، بیروت، لبنان۔۸:۳۵۸۔

(۳)الارمی، محمد الامین بن عبد اللہ، (س۔ن)، تفسیر حدائق الروح والریحان فی علوم القرآن، دار طرق النجاۃ، بیروت، لبنان۔۲۶:۲۰۵۔

(۴)بابرتی، محمد بن محمد بن محمود، العنایۃ شرح ھدایۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان۔۵:۱۹۱۔

”سونے، چاندی اور جوہر سے بنی ایسی چیز جس کے ذریعہ عورتیں زینت حاصل کریں ،زیور ہے۔“

علامہ ابن نجیم الحنفی لکھتے ہیں:

"الحَلْيُ: ما تتحلى به المرأة من ذهب وفضة"(۱)

”سونے اور چاندی سے بنی ہر ایسی چیز جس سے عورت خوبصورتی حاصل کرے، زیور ہے۔“

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

"الحلية: ما يتزين به من الحجارة والمعادن المصوغة"(۲)

”پگھلائی گئی معدنیات اور پتھروں سے بنی ہر ایسی چیز زیور ہے جس سے زینت حاصل کی جائے۔“

علامہ بدرالدین، العینی لکھتے ہیں:

"الحلى: في اللغة ما لبس من ذهب أو فضة أو جوهر، وقال ابن الأثير: الحلى اسم لكل ما يزيد من مصاغ الذهب والفضة"(۳)

”لغت میں سونے، چاندی اور جوھر سے بنی ہر ایسی چیز جو پہنی جائے زیور ہے اور ابن اثیر نے کہا: ہر ایسی چیز زیور ہے جو سونے، چاندی کی بناوٹ سے زائد ہو۔“

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

"الحلى: هو ما يتزين به من مصوغ المعدنيات أو الأحجار الكريمة"(۴)

”معدنیات اور قیمتی پتھروں سے بنی ہر ایسی چیز جس سے زینت حاصل کی جائے، زیور ہے۔“

ملا علی القاری زیور تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الحلى: هو ما يزين به من مصوغ المعدنيات، أو الحجارة"(۵)

”ڈھلی ہوئی معدنیات اور پتھروں میں سے ہر ایسی چیز زیور ہے جس سے زینت حاصل کی جائے۔“

---

(۱) ابن نجیم، سراج الدین عمر بن ابراھیم، (س۔ن)، النہر الفائق شرح کنز الدقائق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ ۱:۴۳۶۔

(۲) معجم لغۃ الفقہاء، ص ۱۸۵۔

(۳) بدر الدین عینی، محمود بن احمد بن موسی، (س.ن)، البنایۃ شرح الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، بیروت. ۶:۲۳۸۔

(۴) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، الکویت، وزارۃ الأوقاف والشؤن الإسلامیۃ۔ ۱۸/ ۱۰۹

(۵) ملا علی بن سلطان محمد، (س۔ن)، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، لبنان، بیروت۔ ۴/ ۱۳۵۱

لفظ زیور کی لغوی و معنوی تحقیق سے ثابت ہوا کہ ہمارے ماحول و معاشرہ میں بولا جانے والا لفظ زیور اپنی اصل کے اعتبار سے فارسی زبان کے لفظ "زیب آور" کا مخفف ہے جو اردو میں "گہنا پاتا" کا معنی دیتا ہے اور عربی میں اس کے لیے "حلیة" کا لفظ مستعمل ہے جو زیور، عورت کا زیور پہننا، عورت کا بنناسورنا، زیب وزینت اختیار کرنا، زیبائش و آرائش اختیار کرنا، آنکھوں میں رچ بس جانا، اچھا لگنا، عادت و خصلت، شکل و صورت، رنگ وروپ، تلوار کا زیور جیسے متعدد معانی کے لیے مستعمل ہے اور اصطلاح میں علماء کی بیان کردہ تعریفات و تعبیرات کا نچوڑ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ہر ایسی چیز زیور ہے جس سے عورت زینت حاصل کرے۔

۲۔ معدنیات اور جواہرات سے بنی ہر ایسی چیز زیور ہے جس سے عورت زینت حاصل کرے۔

۳۔ سونے، چاندی اور جواہرات سے بنی ہر ایسی چیز زیور ہے جس سے زینت حاصل کی جائے۔

۴۔ جس چیز کے ذریعے انسان اپنے آپ کو سنوارے اور خوبصورتی حاصل کرے زیور ہے۔

مقالہ نگار کے نزدیک زیور کا اصطلاحی معنیٰ و مفہوم:

مجھ ناچیز کے خیال میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے زیور کی اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ ہر ایسی چیز جس کو استعمال یا اختیار کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت دکھائی دے زیور ہے۔ عام ازیں کہ وہ لباس ہو یا معدینات اور ہیرے جواہرات سے بنی کوئی چیز ہو یا کوئی انسان زیور علم سے آراستہ و پیراستہ ہو یا اخلاق حسنہ اور حسن عمل کو زیب تن کیے ہوئے ہو، سب زیور ہے۔

کیونکہ جس طرح سونے وچاندی اور دیگر دھاتوں اور ہیرے، جواہرات سے بنی چیزیں زیب تن کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت ہو جاتا ہے تو اسی طرح زیور علم اور اچھے اخلاق و اعمال سے بھی انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالی نے بوقت نماز صاف ستھر الباس پہننے کو زینت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾(۱)

"تم ہر نماز کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالی نے نماز کے لباس پہن لینے کو زینت قرار دیا ہے تا کہ انسان اللہ کی بارگاہ میں خوبصورت دکھائی دے اور ہر وہ چیز جو انسان کو خوبصورت بنا دے زیور ہے اسی طرح اللہ تبارک و تعالی نے قارون کے مال و اسباب کو زینت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۳۱

﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ﴾(۱)

"پھر وہ اپنی قوم کے سامنے (پوری) زینت و آرائش کے ساتھ نکلا۔"

یہ آیت مبارکہ بھی اس بات کی مؤید ہے کہ ہر ایسی چیز جس سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت دکھائی دے زیور ہے۔ اسی طرح لغت عرب میں تلوار کے لیے "حلية السيف(۲)" کا لفظ بولا جانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایسی چیز جس سے کوئی چیز یا انسان خوبصورتی حاصل کرے زیور ہے۔ علامہ آلوسی نے سورۃ فاطر کی آیت نمبر ۲۱ ﴿وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا﴾ (۳)" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا اس آیت مبارکہ میں "حلية تلبسونها" سے مراد عمدہ اخلاق و آداب اور اچھے احوال ہیں جن کو انسان بطور زینت اختیار کرتا ہے۔

علامہ آلوسی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"وتستخرجون حلية تلبسونها: وهي الأخلاق الفاضلة والآداب الجميلة والأحوال المستحسنة التي تكسب صاحبها زينة"(۴)

"وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا" سے مراد ایسے عمدہ اخلاق، خوبصورت آداب اور اچھے احوال ہیں جن کو بطور زینت اختیار کیا جاتا ہے۔"

ایسے ہی حاشیہ الشہاب میں علامہ خفاجی نے لفظ "المدثر" کی تفسیر بیان کرتے کہا کہ ایسا اعلی وعمدہ لباس جو کبھی کبھار پہنا جائے پہننے والے کے لیے زیور اور زینت کا باعث بنتا ہے۔

علامہ خفاجی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"المتدثر بالنبوّة إمّا أن يراد المتحلى بها والمتزين كما إنّ اللباس الذي فوق الشعار يكون حلية لصاحبه وزينة" (۵)

"المتدثر بالنبوة" سے مراد ایسی چیز ہے جس کو انسان بطور زیور اور بطور زینت پہنتا ہے جیسا کہ معمول سے زیادہ مہنگا لباس پہننے والے کے لیے لباس زیور اور زینت کا باعث ہوتا ہے۔"

---

(۱) سورۃ القصص: ۷۹

(۲) لسان العرب: ۱۹۶:۱۴

(۳) سورۃ فاطر: ۱۲

(۴) آلوسی، روح المعانی، ۳۷۹:۱۱

(۵) الخفاجی، احمد بن محمد بن عمر، شہاب الدین، (س۔ن)، عنایۃ القاضی و کفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی، بیروت، دار صادر /۲۶۹:۸

الغرض مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ زیور کا اطلاق ہر ایسی چیز پر کیا جائے گا جو انسان کو دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت بنا دے۔

لفظ زیور کے شرعی اطلاقات:

سطور بالا میں زیور کے لغوی و اصطلاحی اطلاقات بیان کرنے کے بعد اب زیور کے شرعی اطلاقات بیان کیے جائیں گے کیونکہ اسلام نے زیورات کے استعمال کو عام اور آزاد نہیں چھوڑا کہ مرد و عورت جیسا اور جس چیز کا چاہیں زیور پہن لیں بلکہ زیور کے استعمال کے لیے مرد و عورت کے لیے الگ، الگ قوانین اور حدود قیود بیان کی گئی ہیں لھذا اسلام میں مرد و عورت کے لیے زیور کا اطلاق صرف اس چیز پر کیا جائے گا جو چیز مرد و عورت کے لیے زیور بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اور جو چیز اسلام میں مرد و عورت کے لیے زیور بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس پر زیور کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾(۱)

"اور رسول جو تمہیں عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اسے چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔"

مرد کے لیے زیور کا شرعی اطلاق:

شریعت اسلامیہ میں مرد کے لیے بطور زیور صرف انگوٹھی پہننا جائز ہے اس کے علاوہ مرد کے لیے کسی بھی دھات کا اور کسی بھی قسم کا زیور پہننا جائز نہیں ہے یعنی مرد کے لیے صرف انگوٹھی پر زیور کا اطلاق کیا جائے گا اس کے علاوہ زیورات مثلا" گلے کا لاکٹ ، کنگن ، کڑا ، چھلا ، گانی ، پازیب ، گھنگرو ، ٹاپس ، بریسلٹ ، ہار وغیرہ میں سے کوئی بھی چیز مرد کے لیے زیور نہیں کہلائے گی کیونکہ شارع علیہ السلام مرد کو بطور زیور انگوٹھی کے علاوہ کسی بھی قسم کا زیور پہننے کی اجازت نہیں دی اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے اسلام میں شراب پر مشروب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلام میں شراب ایک نجس اور غلیظ شئ ہے اور سود کے مال پر مال کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی مسلمان مرد کے لیے انگوٹھی کے علاوہ کسی بھی قسم کے زیور پر زیور کا اطلاق نہیں کیا جائے گا اور جو مسلمان مرد انگوٹھی کے علاوہ کسی قسم کا زیور پہنے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا اس نے زیور پہن رکھا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے جسم پر ایک ناجائز و حرام شئ پہن رکھی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے پہننے سے منع فرما دیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

"عن عبد الله ﷺ أن رسول الله ﷺ اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما يلي كفه فاتخذه الناس فرمى به واتخذ خاتما من ورق أو فضة"(۱)

---

(۱)سورۃ الحشر:۷

''حضرت نافع، عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھا پس لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں تو آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔''

دوسری حدیث میں ہے:

''عن بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ اتخذ خاتما من ذهب أو فضة وجعل فصه مما يلي باطن كفه ونقش فيه محمد رسول الله فاتخذ الناس مثله فلما رآهم قد اتخذوها رمى به وقال لا ألبسه أبدا ثم اتخذ خاتما من فضة فاتخذ الناس خواتيم الفضة قال بن عمر فلبس الخاتم بعد النبي ﷺ أبو بكر ثم عمر ثم عثمان حتى وقع من عثمان في بئر أريس''(۲)

''حضرت نافع، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھا اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کروایا پس لوگوں نے بھی اس جیسی انگوٹھیاں بنوالیں پس جب آپ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا پھر آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں ابن عمر کہتے ہیں کہ اس انگوٹھی کو نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہنا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پہنا پھر حضرت عثمان نے اسے پہنا حتی کہ وہ حضرت عثمان سے بئر اریس میں گر گئی۔''

ایک حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

''عن أنس بن مالك قال كتب النبي ﷺ كتابا أو أراد أن يكتب فقيل له إنهم لا يقرؤون كتابا إلا مختوما فاتخذ خاتما من فضة نقشه محمد رسول الله كأني أنظر إلى بياضه في يده فقلت لقتادة من قال نقشه محمد رسول الله''(۳)

''حضرت انس بن مالک سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اہل روم کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ مُہر والے خط کے سوا کسی دوسرے خط کو نہیں پڑھتے تو نبی کریم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۵/۲۲۰۲، رقم: ۵۵۲۷

(۲) صحیح بخاری، ۵/۲۲۰۲، رقم: ۵۸۶۶

(۳) بخاری، الصحیح، حدیث: ۵۸۷۵

گویا کہ آج بھی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں اس انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں جس میں "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللہِ" نقش تھا۔"

اسی طرح ایک حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

''عن عبد الله رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما يلي كفه فاتخذه الناس فرمى به واتخذ خاتما من ورق أو فضة''(۱)

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے پھر لوگوں نے بھی انگوٹھیاں بنوالیں تو آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔"

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

''عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه نهى عن خاتم الذهب''(۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔"

مندرجہ ذیل حدیث بھی اسی بات کی وضاحت کر رہی ہے۔

''عن عبد الله بن مسلم عن بن بريدة عن أبيه قال جاء رجل إلى النبي ﷺ وعليه خاتم من حديد فقال مالي أرى عليك حلية أهل النار ثم جاءه وعليه خاتم من صفر فقال مالي أجد منك ريح الأصنام ثم أتاه وعليه خاتم من ذهب فقال ارم عنك حلية أهل الجنة قال من أي شيء أتخذه قال من ورق ولا تتمه مثقالا''(۳)

''ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا بات ہے، کہ میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں، پھر دوبارہ پیتل کی انگوٹھی پہنے حاضر خدمت ہوا، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، پھر تیسری دفعہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر خدمت ہوا، تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ کیا بات

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۵/ ۲۲۰۲، رقم: ۵۵۲۷

(۲) بخاری، الصحیح، ۵/ ۲۲۰۲، رقم: ۵۵۲۶

(۳) ترمذی، السنن، ۴/ ۲۴۸، رقم: ۱۷۸۵

ہے، کہ میں تجھ پر جہنمیوں کا لباس دیکھتا ہوں، تو اس آدمی نے عرض کیا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی پہنوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، چاندی کی انگوٹھی پہنو جو ایک مثقال سے کم ہو۔"

اسی طرح مندرجہ ذیل حدیث بھی مرد کے لیے زیور کے اطلاق کی وضاحت کر رہی ہے۔

"عن عائشة رضي الله عنها قالت قدمت على النبي ﷺ حلية من عند النجاشي أهداها له فيها خاتم من ذهب فيه فص حبشي قالت فأخذه رسول الله ﷺ بعود معرضا عنه أو ببعض أصابعه ثم دعي أمامة ابنة أبي العاص ابنة ابنته زينب فقال تحلي بهذا يا بنية"(۱)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نجاشی کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں زیور بطور ھدیہ پیش کیا گیا اس میں سونے کی انگوٹھی تھی جس میں حبشی نگ لگا ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے ایک لکڑی یا اپنی بعض انگلیوں سے چھوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامہ بنت ابو العاص کو بلایا جو حضور کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں اور فرمایا کہ اے میری بیٹی اس سے زینت اختیار کر۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"نهى عن خاتم الذهب"(۲)

"رسول کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایاہے۔"

حضرت ابو ذباب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں:

"كان خاتم النبي ﷺ من حديد ملوي عليه فضة"(۳)

"نبی کریم ﷺ لوہے کی ایک انگوٹھی پہنتے تھے جس پر چاندی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔"

مذکورہ بالا احادیث اس پر شاھد ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صرف انگوٹھی کو بطور زیور پہنا ہے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی صرف انگوٹھی کو ہی بطور زیور پہنا ہے ۔ انگوٹھی کے علاوہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے کسی بھی قسم کے زیور کو بطور زیور نہیں پہنا لھذا مرد کے لیے صرف انگوٹھی پر زیور

---

(۱) ابو داؤد، السنن، ۴/ ۹۲، رقم: ۴۲۳۵

(۲) بخاری، الصحیح، ۵/ ۲۲۰۲، رقم: ۵۵۲۶

(۳) ابو داؤد، السنن، ۴/ ۹۰، رقم: ۴۲۲۴

کا اطلاق کیا جائے گا انگوٹھی کے علاوہ کسی بھی قسم کے زیور پر مرد کے کے لیے زیور کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

عورت کے لیے زیور کا اطلاق:

شریعت اسلامیہ میں عورت کے لیے زیورات کے استعمال پر کسی قسم کی کوئی قید اور پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ عورت کو ہر قسم کا زیور پہننے کی اجازت دی گئی ہے چاہے وہ زیور کسی بھی دھات ہو اور کسی بھی قسم کا ہو یعنی اسلام میں عورت کے لیے ہر قسم اور ہر طرح کے زیور پر زیور کا اطلاق کیا جائے گا چنانچہ عورت کے لیے سونے، چاندی، لوہا، تانبا، پیتل وائٹ گولڈ وغیرہ کا ہر قسم کا زیور ر مثلاً انگوٹھی، گلے کالاکٹ، کنگن، کڑا، چھلا، گانی، پازیب، گھنگرو، بالی، بریسلٹ وغیرہ پر زیور کا اطلاق کیا جائے گا یعنی عورت کے لیے ہر وہ چیز زیور ہے جسے وہ بطور زیور پہنے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾(۱)

"وہ ذات جس نے تمہارے لیے وہ سب پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ ﴾(۲)

"یا وہ جو زیور میں پرورش پائے۔"

مذکورہ بالا آیات عورت کے لیے ہر قسم اور ہر چیز کا زیور پہننے کے جواز پر ظاہر و عام ہیں اور ان آیات کے عموم کو خبر واحد کے ذریعہ مقید نہیں کیا جاسکتا اور ان آیات کے عموم کا تقاضا یہی ہے کہ عورت کے لیے زیور ہر قسم پر زیور کا اطلاق کیا جائے گا۔یہی بات امام ابو بکر جصاص کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔(۳)

اسی طرح متعدد احادیث مبارکہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"أحل الذهب والحرير للإناث من أمتي وحرم على ذكورها"(۴)

---

(۱)سورۃ البقرۃ:۲۹

(۲)سورۃ الزخرف:۱۸

(۳)جصاص، احکام القرآن، ۵:۲۶۴

(۴)احمد بن حنبل، المسند، ۴/ ۳۹۲، رقم:۱۹۵۲۱، بغوی، الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء، شرح السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت۔حدیث:۸۰۱۳

''میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور میری امت کے مردوں پر سونا اور ریشم حرام کر دیا گیا ہے۔''

اسی طرح حضرت عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا کہا کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں نجاشی کی طرف سے سونے کی انگوٹھی ہدیہ کی گئی جس میں حبشی نگینہ لگا ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے اسے کسی لکڑی یا انگلی کے بعض حصہ سے پکڑا اور امامہ بنت ابی العاص کو بلوا کر فرمایا۔

''تحلي بهذا يا بنية''(۱)

''اے بیٹی اس سے زینت اختیار کر۔''

حضرت زینب بنت نبیط بن جابر سے روایت ہے:

''أوصى أبو أمامة أسعد بن زرارة ﷺ إلى رسول الله بأمي وخالتي فأتاه حلي فيه ذهب ولؤلؤ يقال له الرعاث فحلاهن رسول الله ﷺ من تلك الرعاث فأدركت ذلك الحلي عند أهلي'' (۲)

''حضرت ابو امامۃ اسعد بن زرارۃ ﷺ نے میری ماں اور میری خالہ کو سونے اور موتیوں سے بنا ایسا زیور دے کر رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا جسے "الرعاث" (یعنی بالیاں) کہا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان بالیوں کا پہننا ان کے لیے حلال قرار دیا تو میں نے اس زیور کو اپنے گھر والوں سے لے لیا۔''

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے:

''أجمع الفقها على جواز اتخاذ المرأة أنواع حلى الذهب والفضة جميعا''(۳)

عورت کے ہر قسم کا سونے وچاندی کا زیور پہننے کے جواز پر فقہاء کا اجماع ہے۔

علامہ محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ التویجری لکھتے ہیں:

''فيباح للمرأة أن تلبس من الحلى ما شاءت بلا إسراف ولا مباهة سواء كان من الذهب أو الفضة أو اللؤلؤ أو الألماس ونحو ذلك''(۴)

---

(۱) ابو داؤد، السنن، ۴/۹۲، رقم: ۴۲۳۵

(۲) ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ۔ حدیث: ۲۵۵۴

(۳) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۱۸: ۱۱۱

(۴) موسوعہ الفقہ الاسلامی۔ ۴: ۸۹

"عورت کے لیے اسراف ومباھات کے بغیر ہر قسم کا زیور پہننا جائز ہے عام ازیں کہ وہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا موتیوں یا الماس کا ہو۔"

مذکورہ بالا آیات و احادیث اس بات پر شاھد ہیں کہ قرآن و احادیث میں عورت کے لیے بالعموم ہر قسم اور ہر دھات کا زیور پہننا جائز قرار دیا گیا ہے اور عورت کے لیے زیورات کے استعمال پر کسی قسم کی کوئی پابندی اور قید نہیں لگائی گئی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ عورت کے لیے ہر قسم اور ہر دھات کے بنے ہوئے زیوارت پر زیور کا اطلاق کیا جائے گا۔

زیور پہنے بغیر عورت کی نماز میں کراہت کی روایت:

عورت کے لیے ہر چیز اور ہر دھات کے بنے زیورات پر زیور کا اطلاق کیے جانے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ استطاعت کے باوجود زیور پہنے بغیر عورت کا نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ زیور پہننے کی استطاعت کے باوجود زیور نہ پہننے والی عورت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے اوراستطاعت کے باوجود زیور نہ پہننے والی عورت کی نماز کو بھی آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"عن بن عمر أنه كان يقول من السنة تدلك المرأة من بشيء من حناء عشية الإحرام وتغلف رأسها بغسله ليس فيها طيب ولا تحرم عطلا"(۱)

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات سنت سے ہے کہ عورت احرام باندھتے وقت اپنے سر سے مہندی اتار دے اور ایسے موٹے کپڑے سے سر کو چھپائے جس میں خوشبو نہ ہو اور عورت بر حالت احرام میں زیور پہننا حرام نہیں ہے۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"أنها كرهت أن تصلي المرأه عطلا ولو أن تعلق في عنقها خيطا. قال أبو عبيد قوله: عطلا يعني التي لا حلي عليها"(۲)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زیور پہنے بغیر عورت کا نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر (زیور نہ پائے تو) اپنی گردن میں دھاگہ ہی لٹکا لے۔"

---

(۱) الدارقطنی، علی بن عمر بن أحمد، (۱۹۶۶ء)، السنن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔ ۲/ ۲۷۲، رقم: ۱۶۸

(۲) بیہقی، السنن الکبری، ۲/ ۲۳۵، رقم: ۳۰۸۳

اسی طرح مشہور اور اجل تابعی حضرت امام ابن سیرین کا نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ زیور پہنے بغیر عورت کی نماز مکروہ ہے چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے۔

''عن أيوب عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، كَانَ يَكْره أَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهق قِلَادَةٌ، قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَ: لِأَنْ لَا تَشَبَّهُ بِالرِّجَالِ''(۱)

''ایوب حضرت ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ گلے میں ہار پہنے بغیر عورت کے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کیوں تو فرمایا زیور پہننے سے مردوں سے مشابہت نہیں ہوتی۔''

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھی موقف یہی ہے کہ عورت کا زیور پہنے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے۔

''كتبت أم الفضل ابنة غيلان وهي ابنة يزيد بن المهلب إلى أنس بن مالك: هل تصلي المرأة وليس في عنقها قلادة؟ قال: فكتب إليها: لا تصلي المرأة إلا وفي عنقها قلادة. قال: وإن لم تجد إلا سيرا''(۲)

''ام الفضل بنت غیلان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ کیا؟ عورت کا اس حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے جب اس کے گلے میں ہار نہ ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (جوابا) ان کی طرف لکھا کہ عورت کا گلے کا ہار پہنے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ ہار نہ پائے تو دھاری دار کپڑا پہن لے۔''

اسی طرح امام الطبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے جس میں زیور پہنے بغیر عورت کی نماز کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

''عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: يا علي، مر نساءك لا يصلين عطلا، ولو أن يتقلدن سيرا''(۳)

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی اپنے (گھر) کی عورتوں کو حکم دو کہ وہ زیور پہنے بغیر نماز نہ پڑھیں اور اگر وہ زیور نہ پائیں تو دھاری دار کپڑا پہن لیں۔''

امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں۔

---

(۱) الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام بن نافع، المصنف، الھند، المجلس العلمی۔ حدیث: ۵۰۴۴

(۲) عبد الرزاق، المصنف، حدیث: ۵۰۴۵

(۳) طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر، المعجم الاوسط، القاہرۃ، دار الحرمین۔ حدیث: ۵۹۲۹

"بلکہ عورت کا باوصف قدرت بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے مشابہت ہے۔"(۱)

مجھ ناچیز کے خیال میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے زیور کی اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ہر ایسی چیز جس کو استعمال یا اختیار کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت دکھائی دے زیور ہے۔عام ازیں کہ وہ لباس ہو یا معدینات اور ہیرے جواہرات سے بنی کوئی چیز ہو یا کوئی انسان زیور علم سے آراستہ و پیراستہ ہو یا اخلاق حسنہ اور حسن عمل کو زیب تن کیے ہوئے ہو،سب زیور ہے۔

کیونکہ جس طرح سونے وچاندی اور دیگر دھاتوں اور ہیرے،جواہرات سے بنی چیزیں زیب تن کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت ہو جاتا ہے تو اسی طرح زیور علم اور اچھے اخلاق و اعمال سے بھی انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے بوقت نماز صاف ستھر الباس پہننے کو زینت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾(۲)

"تم ہر نماز کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے نماز کے لباس پہن لینے کو زینت قرار دیا ہے تاکہ انسان اللہ کی بارگاہ میں خوبصورت دکھائی دے اور ہر وہ چیز جو انسان کو خوبصورت بنادے زیور ہے اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے قارون کے مال واسباب کو زینت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایاہے:

"فَخَرَجَ عَلَى قَوْمه فِي زِينَته"(۳)

"پھر وہ اپنی قوم کے سامنے (پوری) زینت و آرائش کے ساتھ نکلا۔"

یہ آیت مبارکہ بھی اس بات کی مؤید ہے کہ ہر ایسی چیز جس سے انسان دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت دکھائی دے زیور ہے۔اسی طرح لغت عرب میں تلوار کے لیے "حلية السيف(۴)" کا لفظ بولا جانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایسی چیز جس سے کوئی چیزیا انسان خوبصورتی حاصل کرے زیور ہے۔علامہ آلوسی نے سورۃ فاطر کی آیت نمبر ۲۱

---

(۱)احمد رضا بریلوی، فتاوی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان۔ ۱۲۷:۲۲

(۲)سورۃ الاعراف:۳۱

(۳)سورۃ القصص:۷۹

(۴)ابن منظور، لسان العرب، ۱۴/ ۱۹۶

"وَتَسۡتَخۡرِجُونَ حِلۡيَةً تَلۡبَسُونَهَا(۱)" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا اس آیت مبارکہ میں "حلیۃ تلبسونھا" سے مراد عمدہ اخلاق و آداب اور اچھے احوال ہیں جن کو انسان بطور زینت اختیار کرتا ہے۔

علامہ آلوسی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وهي الأخلاق الفاضلة والآداب الجميلة والأحوال المستحسنة التي تكسب صاحبها زينة"(۲)

"وَتَسۡتَخۡرِجُونَ حِلۡيَةً تَلۡبَسُونَهَا" سے مراد ایسے عمدہ اخلاق، خوبصورت آداب اور اچھے احوال ہیں جن کو بطور زینت اختیار کیا جاتا ہے۔"

ایسے ہی حاشیہ الشہاب میں علامہ خفاجی نے لفظ "المدثر" کی تفسیر بیان کرتے کہا کہ ایسا اعلی وعمدہ لباس جو کبھی کبھار پہنا جائے پہننے والے کے لیے زیور اور زینت کا باعث بنتا ہے۔ علامہ خفاجی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"المتدثر بالنبوّة إمّا أن يراد المتحلى بها والمتزين كما إنّ اللباس الذي فوق الشعار يكون حلية لصاحبه وزينة"(۳)

"المتدثر بالنبوۃ" سے مراد ایسی چیز ہے جس کو انسان بطور زیور اور بطور زینت پہنتا ہے جیسا کہ معمول سے زیادہ مہنگا لباس پہننے والے کے لیے لباس زیور اور زینت کا باعث ہوتا ہے۔"

الغرض مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ زیور کا اطلاق ہر ایسی چیز پر کیا جائے گا جو انسان کو دوسروں کی نگاہ میں خوبصورت بنا دے۔ مزید یہ کہ زیور پہننے سے زینت حاصل ہوتی ہے گویا کہ زیور اور زینت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں کیونکہ زیور پہننے کا مقصد زینت اختیار کرنا ہے لھذا جہاں زیور ہو گا وہاں زینت ہو گی اور جہاں زینت ہو گی وہاں لازمی طور پر زیور بھی موجود ہو گا۔

☆☆☆☆☆

---

(۱)سورۃ فاطر:۱۲

(۲)روح المعانی، ۱۱/۲۷۹

(۳)الخفاجی، احمد بن محمد بن عمر، شہاب الدین، (س-ن)، عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی، دار صادر، بیروت۔ ۸/۲۶۹

مصادر ومراجع

۱. القرآن الکریم

۲. آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید، (دون السنہ)،روح المعانی،دار اِحیاء التراث العربی، بیروت

۳. احمد رضا،(مولانا)،(س۔ن)، فتاوی رضویہ،رضافاؤنڈیشن،لاہور،پاکستان

۴. الارمی، محمد الامین بن عبد اللہ،(س.ن)، تفسیر حدائق الروح والریحان فی علوم القرآن،دار طرق النجاۃ،بیروت،لبنان

۵. اسماعیل حقی،(س۔ن)،روح البیان،دارالفکر،بیروت،لبنان

۶. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)،السنن، دار اِحیاء التراث العربی، بیروت

۷. ابن الاثیر،مجد الدین بن محمد،الشیبانی،(۱۹۷۹ء)،النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر،المکتبۃ العلمیۃ،بیروت

۸. ابو داود،سلیمان بن اشعث السجستانی،(س.ن)،السنن،دار الفکر،بیروت،لبنان

۹. بابرتی،محمد بن محمد بن محمود،العنایۃ شرح ھدایۃ،دار الفکر،بیروت،لبنان

۱۰. بدر الدین عینی، محمود بن احمد بن موسی،(س.ن)،البنایۃ شرح الھدایۃ،دار الکتب العلمیۃ،،لبنان،بیروت

۱۱. بغوی،الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء،شرح السنۃ،المکتب الاسلامی،بیروت

۱۲. بیہقی،احمد بن حسین،(۱۹۹۴ء)،السنن الکبری،مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمہ

۱۳. ابن حجر العسقلانی،احمد بن علی بن محمد،المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ

۱۴. خفاجی،احمد بن محمد بن عمر،شہاب الدین،(س۔ن)،عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی،دار صادر،بیروت

۱۵. الدار قطنی، علی بن عمر بن أحمد،(۱۹۶۶ء)،السنن،،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،لبنان

۱۶. رازی،محمد بن عمر الحسن بن الحسین،(س۔ن)،مفاتیح الغیب،دارالفکر،بیروت

۱۷. زبیدی،محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق،(س۔ن)،تاج العروس من جواہر القاموس،دار الھدایۃ

۱۸. الصنعانی،عبد الرزاق بن ہمام بن نافع،المصنف،الھند،المجلس العلمی

۱۹. طبرانی،سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر،المعجم الاوسط،القاہرۃ،دار الحرمین

۲۰. ابن عادل،ابو حفص عمر بن علی بن عادل،(س۔ن)،اللباب فی علوم الکتاب،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،لبنان

۲۱. فیروز الدین،مولوی،(س۔ن)،فیروز اللغات،اردو،فیروز سنز،لاہور

۲۲. قلعجی،محمد رواس، قنیبجی،حامد صادق،(س۔ن)، معجم لغۃ الفقہاء،دار النفائس

۲۳. ابن ماجہ،ابو عبد اللہ محمد بن یزید،(س۔ن)،السنن،دار الفکر،بیروت،لبنان

۲۴. مسلم، مسلم بن الحجاج،(س۔ن)، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۲۵. محمود، عبد الرحمن،(س۔ن)، معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیۃ، دار الفضیلۃ

۲۶. ملا علی بن سلطان محمد،(س۔ن)، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، لبنان، بیروت

۲۷. الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، الکویت، وزارۃ الأوقاف والشؤن الإسلامیۃ

۲۸. نسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود،(س۔ن)، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، دار النفائس، بیروت، لبنان

۲۹. ابن نجیم، سراج الدین عمر بن ابراہیم،(س۔ن)، النہر الفائق شرح کنز الدقائق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

"الشمامة العنبرية من مولد خير البرية" میں بیانِ معجزات

(ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)

The miracles mentioned in al-Shamāma al-ᶜAnbariyya min Mawlid Khayr al-Bariyya

☆ ڈاکٹر احمد سعید راشد

☆☆ سید محمد ریحان الحسن گیلانی

ABSTRACT

The description of the Miracles of The Holy Prophet ﷺ has always been a basic part of Seerah Writing. Nawab siddiq Hassan Khan (1832-1890), a well-known Islamic scholar of the Sub continent also described Miracles in his Urdu book of Seerah named "Al Shamama tul Anbariya" which is a significant contribution in Seerah writing of this area. He wrote the said book in classical Urdu script of his time. In this article a research study is done to explore his sources while writing about the Miracles of The Holy Prophet ﷺ.

Keywords: Miracle, Holy Prophet, Islam, Seerah

سیرت النبی ﷺ کی تالیفات میں بیان معجزات کو شروع سے ہی خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ سیرت نگاروں نے دلائل النبوہ کے عنوان سے تالیفات مرتب فرمائیں جن میں معجزات کو بطورِ خاص بیان فرمایا۔ اس ضمن میں جو اسالیب اپنائے گئے ان میں مختلف مصادرِ احادیث وسیرت سے رجوع کیا گیا۔ برصغیر کے علماء نے اس خطے کے لوگوں کا آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے قلبی تعلق پیدا کرنے کے لیے اردو زبان میں متعدد تالیفاتِ سیرت مرتب فرمائیں جن میں سے اکثر میں معجزات کا بیان موجود ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ (م: ۱۸۹۰ء) برصغیر کی ایک ہمہ جہت علمی شخصیت تھے جنہوں نے بیک وقت قرآنِ حکیم، حدیث مبارکہ، سیرتِ نبوی ﷺ، فقہ اسلامی اور تاریخِ اسلام کے اہم

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ میونسپل ڈگری کالج، فیصل آباد

☆☆ پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور یونیورسٹی، لاہور

موضوعات پر تالیفات تحریر کیں۔ موصوفؒ کی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک اہم اردو تالیف "الشمامۃ العنبریہ من مولدِ خیر البریہ" ہے جسے اپنے اسلوبِ بیان اور مضامین کی وجہ سے مختلف مکاتبِ فکر کے ہاں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ نواب صاحب نے اپنے پیش رو مصری عالمِ دین علامہ مومن بن حسن شبلنجیؒ (پ۔۱۲۵۰ء) کی عربی تالیف "نور الابصار فی مناقب آل النبی المختار ﷺ" کی نہ صرف اردو زبان میں تلخیص کی بلکہ اضافی مباحثِ سیرت بیان فرما کر اردو زبان میں ایک انتہائی وقیع تالیفِ سیرت کا اضافہ فرما دیا ہے۔ اس تالیف کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ انیسویں صدی عیسوی کی قدیم اردو زبان میں لکھی گئی جس میں مشکل الفاظ بکثرت موجود ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف مقامات پر عربی، فارسی اور اردو اشعار کا ذکر فرما کر اس تالیف کے اندازِ بیان کو انتہائی موثر بنا دیا ہے۔

نواب صاحب نے مذکورہ تالیف میں رسول اللہ ﷺ کے بہت سے معجزات بیان فرمائے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں نہایت اختصار کے ساتھ نواب صاحب کی مذکورہ اردو تالیفِ سیرت میں معجزاتِ نبوی ﷺ کے بیان کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا اور نواب صاحب کے اسلوبِ بیان اور مصادر کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

معجزہ قرآن حکیم:

بیان معجزات میں نواب صاحب نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا ذکر فرمایا ہے:

"قرآن کریم اعظم المعجزات ہے اور تا قیامت دائم و باقی رہے گا۔ بغرض عمل و استعمال تلاوت و درس و عرض مجتہدات و فروع وغیرہ کے۔ عجائبِ قرآن لامتناہی ہیں اور نکات اس کے دلنشین ثقلین میں کوئی شخص ایک سورتِ اقصر مثل اس کے نہیں لا سکتا"(۱)

امام ترمذی (م۔۲۷۹ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عنقریب کوئی فتنہ برپا ہو گا۔ راوی نے عرض کیا کہ اس فتنہ سے بچنے کی صورت کیا ہو گی اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلے کے لوگوں اور قوموں کی خبریں ہیں اور بعد کے لوگوں کی بھی خبریں ہیں اور تمہارے درمیان کے امور و معاملات کا حکم اور فیصلہ بھی اس میں موجود ہے، اور وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا ہے، ہنسی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جس نے اسے سرکشی سے چھوڑ دیا اللہ اسے توڑ دے گا اور جو اسے چھوڑ کر کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ وہ (قرآن) اللہ کی مضبوط رسی ہے یہ وہ حکمت بھرا ذکر اور وہ سیدھا راستہ ہے جس کی وجہ سے خواہشیں ادھر ادھر نہیں بھٹک پاتیں۔ جو اس کے مطابق بولے گا اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے سیدھے راستے کی ہدایت دی

---

(۱) نواب، صدیق حسن، (۲۰۱۲ء)، الشمامۃ العنبریہ من مولدِ خیر البریہ، فاران اکیڈمی، لاہور، پاکستان۔ ص۷۶

اور ان اچھی باتوں کا خیال رکھو۔امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیاہے۔[۱] یہ حدیث امام ابن شیبہؒ (م۔۲۹۷ھ)[۲]،امام دارمیؒ (م۔۲۵۵ھ)[۳]،امام البزارؒ (م۔۲۹۲ھ)[۴] اورامام بیہقی (م۔۴۵۸ھ)[۵] کی تالیفاتِ حدیث میں بھی موجود ہے۔نواب صاحب کا بیان اس حدیثِ مبارکہ سے ماخوذ ہے۔قرآنِ حکیم میں کفار کو اس جیسی ایک سورت بنالانے کا چیلنج دیا گیا۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[۶]

دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ لَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾[۷]

نواب صاحب نے مذکورہ بیان میں قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ قرآن سراسر معجزہ ہے اور اس کی ایک ایک آیت،ایک ایک حرف اور ایک ایک حرکت بھی اپنے اندر شانِ اعجاز سموئے ہوئے ہے۔

معجزہ شق قمر:

نواب صاحب معجزہ شق قمر کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱)ترمذی،محمد بن عیسیٰ،(۱۹۹۸ء)،السنن،تحقیق:بشار عواد معروف،دار الغرب الاسلامی،بیروت،لبنان۔۵/۱۷۲،رقم:۲۹۰۶

(۲)ابن ابی شیبہ،ابو بکر عبد اللہ بن محمد،(۱۹۹۷ء)،المصنف،تحقیق،عادل بن یوسف،احمد بن فرید،دارالوطن،ریاض،سعودی عرب۔۶/۱۲۵، رقم:۳۰۰۰۶

(۳)دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن،(۱۴۰۷ھ)السنن،تحقیق:فواز احمد زمرلی،خالد السبع العلمی،دار الکتاب العربی،بیروت ،لبنان۔ ۲۰۹۸/۴،رقم:۳۳۷۴

(۴)البزار ،احمد بن عمرو،(۱۹۸۸ء)،المسند(البحر الذخار)،تحقیق:محفوظ الرحمٰن،زین اللہ،عادل بن سعد،عبد الخالق شافعی،مکتبہ دار العلوم والحکم،مدینہ منورہ،سعودی عرب۔۳/۷۰،رقم:۸۳۴

(۵)بیہقی،احمد بن حسین،ابو بکر،(۱۴۲۳ھ)،شعب الایمان،تحقیق:الدکتور، عبد العلی عبد الحمید، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع،ریاض، سعودی عرب۔۳/۱۷،رقم:۸۳۶

(۶)سورۃ البقرہ، ۲ /۲۳

(۷)سورۃ الاسراء:۱۷/۸۸

"انشقاق قمر یہ ہے کہ جب قریش نے کہا کہ کوئی نشانی دکھاو، چاند دو پھانک ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر تھا اور دوسرا اس کے نیچے اور تا غروب اسی حالت پر رہا۔ یہ ماجرا شب چار دہم کو ہوا تھا۔ اہل ایمان کا تو ایمان بڑھ گیا اور کفار نے کہا هذا سحر مستمر یہ ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ معجزہ سنہ نہم نبوت کو واقع ہوا" (۱)

اکثر مفسرین نے قرآنِ حکیم کی حسب ذیل آیہ مبارکہ کی شرح میں معجزہ شق قمر کا ذکر کیا ہے۔

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (۲)

امام احمد بن حنبلؒ (م۔۲۶۵ھ) کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مشرکین کے سامنے دو بار شقِ قمر فرمایا۔ اسی موقع پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (۳) علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا کہ معجزہ شقِ قمر احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ (۴) امام بخاری (م۔۲۵۶ھ) روایت کرتے ہیں کہ اہلِ مکہ نے نبی ﷺ سے نشانی دکھانے کو کہا تو آپ ﷺ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر دکھایا یہاں تک کہ انہوں نے حراء کو ان ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (۵) حافظ ابو نعیمؒ کی بیان کردہ روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ وہ چودھویں رات تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ مشرکین جو سوال کرتے ہیں وہ عطا کیا جائے تو چاند کا آدھا حصہ جبل ابی قبیس کے اوپر اور دوسرا آدھا قیقعان پر تھا۔ (۶)

علامہ حلبی (م:۱۰۴۴ھ) (۷) اور علامہ سیوطی (م:۹۱۱ھ) (۸) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مذکورہ معجزہ کے بیان میں نواب صاحب کے مصادر میں احادیثِ صحیحہ شامل ہیں۔

معجزہ شق صدر:

نبی اکرم ﷺ کے شقِ صدر کی تعداد اور ادوار کے بیان میں نواب صدیق فرماتے ہیں:

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۶۷

(۲) سورۃ القمر: ۱/۵۴

(۳) الشیبانی، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل، (۱۹۹۵ء)، المسند، تحقیق: احمد محمد شاکر، دار الحدیث، قاہرہ، مصر۔ ۳۰۳/۷، رقم: ۴۲۷۰

(۴) ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین، (۱۴۲۰ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، سعودی عرب۔ ۴۳۲/۷

(۵) البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل (۱۴۲۲ھ)، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر، دار طوق النجاۃ للنشر والتوزیع، بیروت، لبنان۔ ۴۹/۵، رقم: ۳۸۶۸

(۶) ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ، (۱۴۰۶ھ)، دلائل النبوہ، تحقیق، الدکتور محمد رواس، عبد البر عباس، دار النفائس، بیروت، لبنان۔ ۲۷۹/۱

(۷) حلبی، علی بن ابراہیم بن احمد، (۱۴۲۷ھ)، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۴۳۲/۱

(۸) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، (بدون السنہ)، الخصائص الکبریٰ، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۲۱۰/۱

"یہ شق پانچ بار ہوا تھا۔ایک بار طفولیت میں نزد حلیمہ کے۔یہ متفق علیہ ہے۔ ایک بار بعمرِ دہ سالہ وچند ماہ رواہ مسلم۔ایک بار شبِ اسراء میں۔ایک بار اس وقت جب فرشتہ وحی لے کر آیا۔ذکرھا بعضھم، ایک بار خواب میں "(۱)

"آپ کا سینہ شق کیا گیا اور ایمان وعلم سے اس کو پر کر دیا"(۲)

عہدِ طفولیت میں شقِ صدر کی روایات کو امام ابن حبان(م۔۳۵۴ھ) و دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔(۳) اس واقعہ کو متقدمین سیرت نگاروں میں سے ابن اسحاق(۴) و ابن سعدؒ(م۔۲۳۰ھ)(۵) نے بیان کیا ہے۔امام احمدؒ کی ذکر کردہ روایت میں دس سال اور کچھ ماہ کی عمر میں صحراء میں رسول اللہ ﷺ کے شقِ صدر کا ذکر ملتا ہے۔(۶) نواب صاحب نے بیان کیا ہے کہ اس روایت کو امام مسلمؒ نے بیان کیا ہے مگر راقم کی تحقیق کے مطابق امام مسلمؒ نے اسے روایت نہیں کیا۔امام ابن مندہؒ بیان کرتے ہیں کہ سفر معراج سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا گیا۔(۷) علامہ ابن حجرؒ نے بیان کیا کہ ابو بشر الدولابیؒ نے آپ ﷺ کے خواب میں واقع ہونے والے شق کو روایت کیا ہے۔(۸) نزولِ وحی کے وقت ہونے والے شق صدر کو علامہ طیالسیؒ نے روایت کیا ہے۔(۹) امام بخاریؒ کی بیان کردہ روایت کے مطابق واقعہ شقِ صدر میں نبی ﷺ کا سینہ اقدس شق کیا گیا اور اسے آبِ زم زم سے دھو کر حکمت و ایمان سے پر کر دیا گیا۔(۱۰) عام طور پر نبی اکرم ﷺ کے شقِ صدر کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے مگر نواب صاحب نے یہاں خواب میں

(۱)صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۲۵

(۲)ایضاً، ص۱۲

(۳)محمد بن حبان بن احمد،(۱۴۱۴ھ)،الصحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، تحقیق:شعیب الارنؤط،موسسۃ الرسالہ،بیروت، لبنان۔ ۱۴/۲۴۹،رقم:۶۳۳۶

(۴)محمد بن اسحاق،(۱۳۹۸ھ)،السیرۃ النبویہ، تحقیق: سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ص۵۰

(۵)ابن سعد، محمد بن منیع،(۱۹۶۰ء)، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، لبنان۔۱/۱۵۰

(۶)الشیبانی، ابوعبد اللہ احمد بن حنبل،، المسند، ۱۹/۲۵۱، رقم:۱۲۲۲۱

(۷)ابن مندہ، محمد بن اسحاق(۱۴۰۶ھ)، الایمان، تحقیق: علی بن محمد بن ناصر، موسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔۲/۱۳/۷،رقم:۷۰۹

(۸)عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی،(۱۳۹۷ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، لبنان۔۱۳/۴۸۱

(۹)الطیالسی، سلیمان بن داود،(۱۴۱۹ھ)، المسند، تحقیق: محمد بن عبد المحسن، دارِ ہجر، مصر۔۳/۱۲۵، رقم:۱۶۴۳

(۱۰)البخاری، الصحیح، ۱/۱۳۵، رقم:۳۴۲

ہونے والے شق کو بھی شامل کیا ہے۔ اسی تالیف میں نواب صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ پانچویں بار کا شق ثابت نہیں۔[۱] گویا یہاں انہوں نے خواب میں ہونے والے شق صدر کو نظر انداز کیا ہے۔ مذکورہ بیان میں نواب صاحب نے مجموعی طور پر احادیثِ صحیحہ سے استفادہ فرمایا ہے۔

معجزہ سفر معراج:

نواب صاحب معجزہ معراج کے بارے بیان کرتے ہیں:

"حضرت کو اسراء ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۱ سال ۹ ماہ کی تھی اور آپ کو بیداری میں شنبہ ۲۷ ربیع الاول کو قاله ابن أثير والنووي في شرح مسلم یا ربیع الآخر کو قاله النووي في فتاواه یا رجب میں آسمان پر چڑھا لیئے گئے۔ اب عمل ستائیس رجب پر ہے"[۲]

یہاں نواب صاحب نے وقتِ معراج نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارکہ کو بڑے متعین انداز میں بیان کیا ہے۔ عموماً کتب سیرت میں ایسا اسلوب نہیں ملتا۔ امام نووی (م۔۶۷۶ھ) شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وَقَالَ الحَرِبِيُّ كَانَ لَيلةَ سَبعٍ وَعِشرِينَ مِن شَهرِ رَبِيعِ الآخِرِ قَبلَ الهِجرَةِ بِسَنَةٍ"[۳]

اور حربی نے کہا کہ معراج ربیع الآخر کی ستائیسویں رات کو ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔

فتاویٰ میں امام نووی کے الفاظ یوں ہیں۔

"وكانت ليلةَ السابع والعشرين من شهر ربيع الأول"[۴]

"وہ ماہِ ربیع الاول کی ستائیسویں شب تھی۔"

علامہ قسطلانی (م۔۹۲۳ھ) بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو معراج رجب کی ستائیسویں شب کو ہوئی اور علامہ مقدسی نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔[۵] اقتباسات سے واضح ہے کہ نواب صاحب نے امام نووی کی شرح مسلم اور فتاویٰ کے حوالہ جات کو بیان کرتے ہوئے سہواً آپس میں بدل دیا ہے۔

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۲۱

(۲) ایضاً، ص۲۷

(۳) النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، (۱۳۹۲ھ)، المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ ۲/ ۲۰۹

(۴) ایضاً، (۱۴۱۷ھ) المسائل المنشورہ، ترتیب: علاو الدین بن عطار، تحقیق وتعلیق: محمد الحجار، دار البشائر الاسلامیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان۔ ص۳۶

(۵) قسطلانی، شہاب الدین احمد بن محمد، (دون السنہ)، المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، مصر۔ ۱/ ۱۲۶

سیدنا عمرؓ کا قبول اسلام:

نواب صاحب نے آپ ﷺ کی سیدنا عمر کے قبول اسلام کے لیے دعا کی قبولیت کو بھی معجزات میں ذکر کیا ہے۔ آپ تحریر کرتے ہیں:

"عمر کے لیے دعا کی "اللهم أعز الإسلام به" یہ دعا پذیر ہوئی"[۱]

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ ان دو افراد، ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔[۲] امام حاکمؒ (م۔۴۰۵ھ) بیان کرتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ اسلام کو خاص طور پر عمر بن خطاب کے ذریعہ عزت عطا فرما۔[۳] امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا۔ امام ابن ماجہؒ (م۔۲۷۳)[۴] اور امام بیہقی ؒ[۵] نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ نواب صاحب کا بیان امام حاکم کی روایت کے متماثل ہے۔

سورج کا دوبارہ نکلنا:

معجزات کے تسلسل میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

"اسی طرح بعد غروب کے علی ابن ابی طالب پر آپ کی دعا سے سورج واپس آیا تاکہ علی نماز عصر ادا کر لیں"[۶]

امام طحاویؒ (م۔۳۲۱ھ) نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا۔ حضرت علیؓ نماز ادا نہ کر سکے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ اے علیؓ کیا تم نے نماز ادا کر لی؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ اگر یہ (سورج) تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے تو اسے اس کے لیے پھیر دے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا اور پھر غروب کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔[۷] اس روایت کو قاضی عیاضؒ (م۔۵۴۴ھ)[۱] اور علامہ

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۶۸

(۲) عبد اللہ بن احمد بن حنبل، (۱۴۰۳ھ)، فضائل الصحابہ، تحقیق: وصی اللہ محمد عباس، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔ ۱/ ۲۵۰

(۳) حاکم، محمد بن عبد اللہ، (۱۴۱۱ھ)، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۳/ ۸۹، رقم: ۴۴۸۵

(۴) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (دون السنہ)، السنن،، تحقیق: فواد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/ ۳۹، رقم: ۱۰۵

(۵) البیہقی، احمد بن حسین، (۱۴۰۵ھ)، السنن الکبریٰ، تحقیق: شرف محمود، دار الفرقان، عمان، اردن۔ ۶/ ۶۰۲، رقم: ۱۳۱۰۲

(۶) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۶۸

(۷) الطحاوی، احمد بن محمد، ابو جعفر، (۱۴۱۵ھ)، شرح مشکل الآثار، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ رقم حدیث: ۱۰۶۷

سمہودیؒ(م۔۹۱۱ھ) نے بھی نقل کیا ہے۔[۲] علامہ ابن جوزیؒ (م۔۵۹۷ھ)نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ سورج کے غروب ہونے پر عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اس کا دوبارہ طلوع ہونا فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔[۳] علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابو بکر محمد بن حاتم نے اپنی تالیف "اثبات امامۃ ابی بکرؓ" میں کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ روافض کی پیدا کردہ ہے۔[۴] علامہ حلبیؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کے لیے اس سے اختلاف ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ عظیم علاماتِ نبوت میں سے ہے اور متصل حدیث ہے۔[۵] نواب صاحب نے اس واقعہ کو قبول کرتے ہوئے بطورِ معجزہ بیان فرمایا ہے۔ اس روایت پر محدثین کا کلام اور ٹھوس اعتراضات موجود ہیں۔

حضرت قتادہ بن نعمان ﷜ کی آنکھ:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کی صحت یابی کے لیے آپ ﷺ کی دعا کو بیان فرماتے ہیں:

"قتادہ بن نعمان کی آنکھ رخسار پر بہہ گئی تھی، اس کو بہ جائے اس کے پھیر دیا۔ وہ احسن عینین تھے"[۶]

علامہ موصلیؒ(م۔۳۰۷ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (غزوہ) بدر کے دن ان کی آنکھ پھوٹ گئی اور بہہ کر رخسار پر آ گئی۔ انہوں نے اسے کاٹنے کا ارادہ کیا، اور نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں"، پھر انہیں بلایا اور ان کی آنکھ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اسے واپس اس کی جگہ رکھ دیا۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ ان کی کون سے آنکھ خراب ہوئی تھی،[۷] علامہ طبرانی(م۔۳۶۰ھ) نے اس روایت کو غزوہ احد کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھ اس کی جگہ رکھ کر دعا بھی فرمائی۔ وہ آنکھ زیادہ خوبصورت بن گئی۔[۸] علامہ ہیثمی (م۔۸۰۷ھ) کہتے ہیں کہ طبرانی کی

---

(۱)عیاض بن موسیٰ، (۱۹۸۸ء)،الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، حواشی، أحمد بن محمد بن محمد الشمنی، دار الفکر، بیروت۔۱/۲۸۴

(۲)السمہودی، ابو الحسن علی بن عبد اللہ،(۱۴۱۹ھ)، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔۲/۴۲۳

(۳)ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن،(۱۹۶۶ء) الموضوعات، تحقیق، عبد الرحمٰن محمد عثمان، المکتبۃ السلفیۃ، السعودیہ۔۱/۳۵۷

(۴)ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر،(۱۴۰۸ھ)، البدایہ والنہایہ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔۶/۷۹

(۵)حلبی، إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون، ۱/۵۴۳

(۶)صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۴۷

(۷)الموصلی ابو یعلیٰ، احمد بن علی،(۱۴۰۶ھ)، المسند، تحقیق: حسین سلیم اسد، دار المامون لتراث، سوریا۔۳/۱۲۰، رقم:۱۵۴۹

(۸)الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب،(۱۴۱۵ھ)، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدي بن عبد المجید السلفي، دار النشر مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرہ۔۱۹/۸، رقم:۱۲

روایت کی سند میں ایسے رواۃ ہیں جنہیں میں نہیں جانتا اور علامہ موصلی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے اس واقعہ کو مختلف رواۃ کے ساتھ یوم احد کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔[۱]

حیوانات کا التجا کرنا:

بعض مواقع پر جانوروں کی آپ ﷺ سے التجاوں کو بھی نواب صاحب نے معجزات میں رقم کیا ہے۔ نواب صاحب رقم طراز ہیں۔

"ایک اعرابی کے شتر نے آپ سے شکوہ قلتِ الفت و کثرت عمل کا کیا اور بعض طیور کے انڈوں کو ایک صحابی نے لے لیا۔ اس طیر نے حضرت سے شکایت کی۔ فرمایا اس کے انڈے پھیر دے"[۲]

امام ابو داود کی روایت کے مطابق آپ ﷺ ایک بار ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ تھا، جب اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو رونی سی آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا" اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ تو ایک انصاری جوان آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا جس کا اس نے تجھ کو مالک بنایا ہے' اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا اور بہت تھکاتا ہے۔[۳] امام بزار کی روایت کے مطابق ایک سفر میں آپ ﷺ اور اصحاب موجود تھے تو ایک صحابیؓ نے ایک پرندے کا انڈہ اٹھا لیا۔ پرندے نے نبی ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے صحابی کو اس پرندے کا انڈہ واپس کرنے کا حکم دیا۔[۴] اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے۔[۵]

گوہ کا گواہی دینا:

نواب صاحب فرماتے ہیں:

---

(۱) ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، (۱۹۹۷ء)، المصنف، تحقیق: عادل بن یوسف العزازی، احمد بن فرید المزیدی، دارالوطن، ریاض، سعودی عرب۔ ۶/ ۴۰۰، رقم: ۳۲۳۶۴

(۲) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص ۶۸-۶۹

(۳) ابو داود، سلیمان بن اشعث، (دون السنہ)، السنن، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت، لبنان۔ ۳/ ۲۳، رقم: ۲۵۴۹

(۴) البزار، المسند، ۵/ ۳۷۸، رقم: ۲۰۱۰

(۵) البخاری، محمد بن اسماعیل، (دون السنہ)، التاریخ الکبیر، تصحیح و تعلیق: ابو المعاطی، الطبعۃ الھندیہ، حیدر آباد، انڈیا۔ ۵/ ۳۰۰

"حدیثِ ضب یعنی گوہ، زبانوں پر مشہور ہے۔ جمل نے کہا: لین غریب ضعیف ہے۔ بلکہ بعض اس کے قائل ہیں کہ متن وسند کی لحاظ سے ثابت نہیں "(۱)

امام طبرانی نے گوہ کی گواہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

"قَالَ: فَمَنْ أَنَا، يَا ضَبُّ قَالَ: أَنْتَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ، وَقَدْ خَابَ مَنْ كَذَّبَكَ"(۲)

"آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے گوہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسولِ رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ جس نے آپ کی تصدیق کی کامیاب ہوا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ نامراد ہوا۔"

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ بعض نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور بعض نے موضوع جب کہ میرے نزدیک اس میں شرع کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔(۳)

مشرکین کی قتل گاہوں کی نشاندہی

نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی جگہوں کی نشاندہی فرمائی تھی۔ اس ضمن میں نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:

"(آپ ﷺ) مصارع مشرکین کو مقرر فرمادیا کسی نے اپنی جگہ سے تجاوز نہ کیا"(۴)

علامہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غزوہ بدر میں مشرکین کی جائے قتل کا بتا دیا تھا۔ جو جو جگہ آپ ﷺ نے بتائی، وہیں وہ لوگ مارے گئے۔(۵)

غزوہ خندق میں پتھر توڑنا:

نواب صاحب غزوہ خندق کے بارے بیان فرماتے ہیں:

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۶۸۔۶۹

(۲) الطبرانی، سلیمان بن احمد، (دون السنہ)، المعجم الاوسط، تحقیق: طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسینی، دار الحرمین، قاہرہ، مصر۔ ۶/۱۲۶، رقم: ۵۹۹۶

(۳) قسطلانی، المواہب، ج۲، ص۲۷۹

(۴) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۷۴

(۵) الواقدی، محمد بن عمر، (۱۹۸۶ء)، کتاب المغازی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۱/۴۹

"خندق میں ایک پتھر نکلا ہر چند اس پر کلند مارے کچھ اثر نہ ہوا۔ تب حضرت نے اپنے ہاتھ سے کلند لگایا وہ پاش پاش مثل ریت کے ہو گیا"(۱)

امام ابن ابی شیبہ کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ غزوہ غندق میں کھدائی کے دوران ایک سخت پتھر نکلا جو اصحاب سے نہ ٹوٹ سکا تو انہوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تین ضربیں لگائیں تو وہ ٹوٹ گیا۔(۲) اس واقعہ کو امام بیہقیؒ نے بھی بیان کیا ہے۔(۳) یہاں نواب صاحب کا بیان روایتِ حدیث و سیرت کے مطابق ہے۔

جبلِ احد کا ساکن ہونا

نواب صاحب بیان کرتے ہیں:

"احد کو پاوں سے مارا تو وہ حرکت سے ساکن ہو گیا"(۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ احد پر تھے۔ احد نے جنبش کی تو نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے احد ساکن ہو جاو۔ آپ ﷺ نے پاوں سے ضرب ماری اور فرمایا تم پر نبی، صدیق اور دو شہداء موجود ہیں۔(۵) اس معجزہ کے بیان میں نواب صدیق حسن خانؒ کا مصدر صحیح بخاری کی حدیث ہے۔

درخت کی شاخ کا تلوار بننا

نواب صاحب بیان کرتے ہیں:

"دن بدر کے عکاشہ بن محصن کو شاخ، درخت دے دی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار ہو گئی۔ اسی طرح دن احد کے عبد اللہ بن جحش کے ساتھ کیا"(۶)

امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکاشہؓ فرماتے ہیں کہ یوم بدر کو میری تلوار ٹوٹ گئی تو نبی ﷺ نے مجھے ایک لکڑی عطا فرمائی تو وہ تلوار کی طرح بن گئی۔(۱) امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص ۶۷

(۲) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷/ ۳۷۷، رقم: ۳۶۸۱۱

(۳) البیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، (۴۰۵ھ)، دلائل النبوہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۳/ ۶۱۴

(۴) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص ۷۰

(۵) البخاری، الصحیح، ۲/ ۱۴۳، رقم: ۳۶۷۵

(۶) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص ۷۰

کھجور کی لکڑی دی تو وہ تلوار ہو گئی۔[۲] مذکورہ معجزہ کے بیان میں نواب صاحب نے امام بیہقی کی بیان کردہ روایات سے استفادہ کیا ہے۔

طعام وسنگریزوں کا تسبیح کرنا

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ بیان کرتے ہوئے نواب صاحب بیان کرتے ہیں:

"طعام وسنگریزے آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرتے "[۳]

امام بزار نے روایت کیا کہ سات یا نو کنکریوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تسبیح کی۔[۴] علامہ اسماعیل اصفہانی(م:۵۳۵ھ) ، علامہ سیوطی[۵] ،امام بیہقی[۶] اور حافظ ابو نعیم[۷] نے بھی اس بات کو بیان کیا۔ علامہ ہثیمی فرماتے ہیں کہ علامہ بزار نے دو اسناد سے اس روایت کو بیان کیا ہے ایک کے رواۃ ثقات ہیں اور بعض میں ضعف ہے۔[۸] امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ نے حضرت عبد اللہ سے بیان کیا کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا اور ہم نے تسبیحِ طعام کو سنا۔[۹]

درخت کا سلام کرنا

اس معجزہ کے حوالہ سے نواب صاحب رقم طراز ہیں:

"آپ سوتے تھے ایک درخت چل کر نزدیک آپ کے آیا۔ فرمایا اس نے اپنے رب سے اذن چاہا کہ مجھے سلام کرے "[۱۰]

---

(۱) البیہقی، دلائل النبوہ، ۳/۹۹

(۲) البیہقی، احمد بن حسین، (۱۴۰۱ھ) الاعتقاد والھدایہ الی سبیل الرشاد علیٰ مذھب السلف واصحاب الحدیث، تحقیق: احمد عصام الکاتب، دارالآفاق الجدیدہ، بیروت، لبنان۔ ۱/۲۸۹

(۳) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۷۰

(۴) البزار، المسند، ۹/۴۳۱، رقم: ۴۰۴۰

(۵) السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۲/۱۲۵

(۶) البیہقی، دلائل النبوہ، ۶/۴۶

(۷) ابو نعیم، دلائل النبوہ، ۱/۴۷

(۸) السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۲/۱۲۵

(۹) الترمذی، السنن، ۶/۳۱، رقم: ۳۶۳۶

(۱۰) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۷۱

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سو رہے تھے کہ ایک درخت آپ کے قریب آیا اور جھکا اور پھر واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے اللہ سے اجازت چاہی تھی کہ مجھے سلام کرے تو اسے اجازت دی گئی۔[۱] اس واقعہ کو علامہ ابن حجر[۲] اور علامہ محمد بن عمر حضرمی(م:۹۳۰ھ)[۳] نے بھی روایت کیا ہے۔

درخت کی طرف سے حضور ﷺ کے پردے کا اہتمام

نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:

"ایک معجزہ یہ تھا کہ درخت نے شہادت آپ کی رسالت پر دی اور آپ کے پاس آکر آپ کو مستور کیا یہاں تک کہ آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے"[۴]

امام مسلمؒ کی بیان کردہ روایت میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (ایک مہم کے لیے) روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم کشادہ وادی میں جا اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے گئے میں (چمڑے کا بناہوا) پانی کا ایک برتن لے کر آپ کے پیچھے گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر دوڑائی ایسی چیز نظر نہ آئی جس کی آپ اوٹ لے سکتے ۔ وادی کے کنارے پر دو درخت نظر آئے۔ آپ ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اس کی ٹہنیوں میں سے ایک کو پکڑا اور فرمایا: "اللہ کے حکم سے میرے مطیع ہو جاؤ۔"تو وہ نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح آپ کا فرمانبر دار بن گیا پھر دوسرے درخت کے پاس آئے اور اس کی ٹہنیوں میں سے ایک کو پکڑا اور کہا: "اللہ کے حکم سے میرے مطیع ہو جاؤ۔"تو وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ (اسے چلاتے ہوئے) دونوں کے درمیان کے آدھے فاصلے پر پہنچے تو آپ نے ان دونوں کو جھکا کر آپس میں ملا (کر اکٹھا کر) دیا آپ نے فرمایا: "دونوں اللہ کے حکم سے میرے آگے مل جاؤ۔تو وہ دونوں ساتھ مل گئے (اور آپ ﷺ کو پردہ مہیا کر دیا۔[۵]

---

(۱)احمد بن حنبل،المسند،۲۹/۱۰۷،رقم:۱۷۵۶۵

(۲)العسقلانی،ابوالفضل احمد بن علی،(۱۴۱۵ھ)، إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من أطراف العشرة، تحقیق:مرکز خدمة السنة والسیرة، بإشراف زهیر بن ناصر الناصر، مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشریف، مدینہ منورہ، سعودی عرب۔۱۳/۷۳۲،رقم:۱۷۳۵۷

(۳)حضرمی، محمد بن عمر،(۱۹۹۸ء)، حدائق الأنوار ومطالع الأسرار فی سیرة النبی المختار، تحقیق: محمد غسان نصوح، دار الحاوی، بیروت، لبنان۔ص ٦٧

(۴)صدیق حسن،الشمامة العنبریہ،ص۷۰

(۵)مسلم،الصحیح،۴/۲۳۰۶،رقم:۳۰۱۲

علامہ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔(۱) مذکورہ واقعہ کو نواب صاحب نے روایاتِ حدیث کے مطابق بیان کیا ہے۔

کھجور کے تنے کی آہ وزاری

نواب صاحب مزید رقم طراز ہیں:

"من جملہ معجزات کے ایک حنین جذع ہے یعنی گریہ چوب جس پر ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھتے تھے۔ جب منبر بنا اس کو چھوڑ دیا۔ وہ ایک ستونِ مسجد تھا۔ اس نے فریاد کی۔ اس کے صیاع کو ہر حاضر مسجد نے سنا یہاں تک کہ مسجد اس کے نالہ سے گونج اٹھی اور وہ خود شدتِ صیاع سے پھٹ گیا۔ حضرت نے منبر سے اتر کر اس کو گلے سے لگالیا۔ تب وہ ساکن ہوا۔ فرمایا: والذی نفسی بیدہ لو لم التزمہ لم یزل یصوات هكذا إلى يوم القيامه۔ پھر اس کو اختیار دیا کہ اپنے مغرس میں جائے پھل لائے جیسا کہ پہلے تھا یا جنت میں بویا جائے۔ جنتی اس کا پھل کھائیں۔ اس نے دار البقاء کو دار الفناء پر اختیار کیا۔ تب دفن کیا گیا"(۲)

امام دارمی کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے دوسرا منبر اختیار کیا تو ستون غم سے رویا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گلے لگایا تو وہ خاموش ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ، لَمَا زَالَ هَكَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حُزْنًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ" (۳)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں اس پر شفقت کا التزام نہ کرتا تو یوم قیامت تک یہ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ (کے فراق) میں غمزدہ رہتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو اس کو دفن کر دیا گیا۔

اس روایت کو امام ابن خزیمہ(۴)، امام طحاوی(۵)، امام بیہقی(۱)، قاضی عیاض(۲) اور علامہ سیوطی(۳) نے بیان کیا ہے۔ علامہ تقی الدین (م۔ ۸۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اسے مغرس یا جنت میں جانے کا اختیار دیا اور اس نے دار البقاء کو پسند کیا۔(۴)

---

(۱) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۶/ ۵

(۲) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص۶۹

(۳) دارمی، السنن، ۱/ ۱۸۴، رقم: ۴۲

(۴) ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، (۱۹۷۰ء)، الصحیح، تحقیق، محمد مصطفی الاعظمی، المکتب الإسلامی، بیروت۔ ۳/ ۱۴۰، رقم: ۱۷۷۷

(۵) الطحاوی، شرح مشکل الآثار، ۱۰/ ۳۷۸، رقم: ۴۱۷۹

نواب صاحب کے بیان کردہ الفاظ روایتِ حدیث سے مختلف ہیں۔اس ضمن میں نواب صاحب کا بیان علامہ تقی الدین سے متماثل ہے۔

اصابع سے پانی جاری ہونا

نواب صاحب رقم طراز ہیں:

"اصابع سے پانی جاری ہوا جس کو ایک لشکر عظیم نے پیا اور شتران واسپان کو پلایا اور مشکیں وپکھالیں، بھرلیں اور یہ معجزہ کئی بار ہوا"[۵]

امام بخاریؒ نے روایت کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز عصر کا وقت آگیا، لوگوں نے پانی تلاش کیا، جب انھیں پانی نہ ملا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ایک برتن میں) وضو کے لیے پانی لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اسی (برتن) سے وضو کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی (چشمے کی طرح) ابل رہا تھا یہاں تک کہ (قافلے کے) آخری آدمی نے بھی وضو کر لیا۔[۶] اس معجزہ کو امام مسلم،[۷] امام طبرانی[۸] اور امام بیہقی[۹] نے بھی روایت کیا ہے۔ نواب صاحب نے اس معجزہ بیان میں احادیثِ مبارکہ سے استفادہ کیا ہے۔

بچی کو زندہ کرنا

نواب صاحب بیان کرتے ہیں:

---

(۱) البیہقی، دلائل النبوہ، ۲/ ۵۵۸

(۲) عیاض بن موسیٰ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، ۱/ ۳۰۴

(۳) السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۲/ ۱۲۷

(۴) محمد بن احمد، تقی الدین، (۱۴۰۳ھ)، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۲/ ۴۲۴

(۵) صدیق حسن، الشمامة العنبریہ، ص ۷۰

(۶) البخاری، الصحیح، ۱/ ۴۵، رقم: ۱۶۹

(۷) مسلم، الصحیح، ۴/ ۱۸۸۳، رقم: ۲۲۷۹

(۸) الطبرانی، المعجم الاوسط، ۵/ ۱۷۴، رقم: ۴۹۸۷

(۹) البیہقی، دلائل النبوہ، ۴/ ۱۲۳

"(نبی اکرم ﷺ نے) ایک شخص سے کہا مسلمان ہو جا، اس نے کہا میری بیٹی زندہ ہو جائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ اس کی قبر پر جا کر آپ ﷺ نے پکارا، اس نے لبیک و سعدیک کہا۔ فرمایا تو دنیا میں رجوع کرنے کو دوست رکھتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے اللہ کو ماں باپ سے بہتر اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا" (۱)

قاضی عیاضؒ نے امام حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیٹی کو جنگل میں فلاں جگہ در گور کیا تھا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ اس جگہ تشریف لے گئے اور اس بچی کو اس کے نام سے آواز دی تو وہ لبیک و سعدیک عرض کرتے ہوئے گڑھے سے نکل آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے والدین مسلمان ہو گئے ہیں اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کے پاس لوٹا دوں؟ لڑکی نے عرض کیا کہ مجھے اس چیز کی ضرورت نہیں۔ میں نے اللہ کو ان سے بہتر پایا۔ (۲) علامہ شمنیؒ (م-۸۷۳ھ) حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ علامہ دلجی نے کہا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ حسن بصریؒ سے مروی اس روایت کو کس نے بیان کیا ہے۔ علامہ حلبی نے ایک مشرک کے نبی اکرم ﷺ سے اس تقاضے کو بیان کیا کہ اگر آپ میری بیٹی کو زندہ کر دیں تو ایمان لے آوں گا۔ آپ ﷺ اس کی قبر پر گئے اور پوچھا کہ کیا تو دنیا میں آنا چاہتی ہے؟ اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے اللہ کو اپنے باپ سے اور آخرت کو دنیا سے اچھا پایا۔ (۳) علامہ قسطلانی نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ (۴) مولفین نے اس روایت کے رواۃ بیان نہیں کیے گئے۔ امکان ہے کہ مشرک کی بیٹی سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے فوت ہوئی ہو گی ہو جیسا کہ قاضی عیاضؒ کی بیان کردہ روایت سے اندازہ ہوتا ہے کیونکہ مشرکین عرب اپنی بچیوں کو بچپن میں ہی دفن کر دیتے تھے۔ اس معجزہ کے بیان میں نواب صاحب کا ماخذ قاضی عیاضؒ کی روایت نہیں بلکہ علامہ حلبیؒ اور علامہ قسطلانیؒ کی بیان کردہ روایات ہیں۔

حاصلِ کلام:

سابقہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اردو سیرت نگاری میں معجزاتِ نبوی ﷺ کو انتہائی فصیح و بلیغ اسلوب کے ساتھ بڑی عقیدت اور محبت سے بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں متعدد کتبِ حدیث و سیرت سے استفادہ کیا۔ ان کے مصادر میں زیادہ تر روایاتِ صحیحہ شامل ہیں۔ چند ایک مقامات پر ایسی روایات سے بھی استفادہ کرتے ہیں جن پر محدثین کے ہاں کلام پایا جاتا ہے البتہ ان روایات کو مختلف سیرت نگاروں کے

---

(۱) صدیق حسن، الشمامۃ العنبریہ، ص ۷۱

(۲) قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۱/ ۶۱۴

(۳) حلبی، انسان العیون فی سیرۃ امین المأمون، ۳/ ۴۱۳

(۴) قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۲/ ۲۹۶

ہاں قبول کیا گیا ہے۔ نواب صاحب بعض مقامات پر متعین تواریخ بیان فرماتے ہیں جو کہ ان کے علم توقیت پر عبور کی دلالت کرتا ہے۔ بعض مقامات پر صرف بیان روایت و جمع آوری روایات پر اکتفاء کرتے ہیں جو مورخانہ اسلوب کی دلالت کرتا ہے اور بعض مقامات پر محدثانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے بیان کردہ روایات کی استنادی حیثیت کی وضاحت بھی فرمادیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (۱۴۲۲ھ)، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زبیر بن ناصر، دار طوق النجاۃ للنشر والتوزیع، بیروت، لبنان

۲. البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، (دون السنہ)، التاریخ الکبیر، تصحیح و تعلیق: ابو المعاطی، توافق الصفحات والارقام، مع الطبعۃ الھندیہ، حیدر آباد، انڈیا

۳. البزار، احمد بن عمرو، (۱۹۸۸ء)، المسند (البحر الذخار)، تحقیق: محفوظ الرحمٰن، زین اللہ، عادل بن سعد، عبد الخالق شافعی، مکتبہ دار العلوم والحکم، مدینہ منورہ، سعودی عرب

۴. البیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، ابو بکر، (۱۴۲۳ھ)، شعب الایمان، تحقیق: الدکتور، عبد العلی عبد الحمید، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب

۵. البیہقی، احمد بن حسین، (۱۴۰۵ھ)، السنن الکبریٰ، تحقیق: شرف محمود، دار الفرقان، عمان، اردن

۶. البیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، (۱۴۰۵ھ)، دلائل النبوہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۷. البیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، (۱۴۰۱ھ) الاعتقاد والھدایہ الیٰ سبیل الرشاد علیٰ مذھب السلف و اصحاب الحدیث، تحقیق: احمد عصام الکاتب، دارالآفاق الجدیدہ، بیروت، لبنان

۸. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، (۱۹۹۸ء)، السنن، تحقیق: بشار عواد معروف، دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان

۹. ابن الجوزی، ابوالفرج عبد الرحمٰن، (۱۹۶۶ء) الموضوعات، تحقیق، عبد الرحمٰن محمد عثمان، المکتبۃ السلفیۃ، مدینۃ المنورۃ، سعودی عرب

۱۰. حاکم، محمد بن عبد اللہ، (۱۴۱۱ھ)، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۱۱. حلبی، علی بن ابراہیم بن احمد، (۱۴۲۷ھ)، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۱۲. ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، (۱۹۷۰ء)، الصحیح، تحقیق، محمد مصطفی الأعظمي، المکتب الإسلامي، بیروت

۱۳. دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، (۱۴۰۷ھ) السنن، تحقیق: فواز احمد زمرلی، خالد السبع العلمی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان

۱۴. ابوداود، سلیمان بن اشعث، (دون السنہ)، السنن، المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صیدا، بیروت، لبنان

۱۵. ابن سعد، محمد بن منیع، (۱۹۶۰ء)، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، لبنان

۱۶. السمہودی، ابوالحسن علی بن عبد اللہ، (۱۴۱۹ھ)، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۱۷. السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، (بدون السنہ)، الخصائص الکبریٰ، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
۱۸. الشیبانی، ابوعبداللہ احمد بن حنبل، (۱۹۹۵ء)، المسند، تحقیق: احمد محمد شاکر، دار الحدیث، قاھرہ، مصر
۱۹. ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد، (۱۹۹۷ء)، المصنف، تحقیق، عادل بن یوسف، احمد بن فرید، دار الوطن، ریاض
۲۰. الطبرانی، سلیمان بن احمد، (دون السنہ)، المعجم الاوسط، تحقیق: طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبد المحسن بن إبراھیم الحسینی، دار الحرمین، قاھرہ، مصر
۲۱. الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب، (۱۴۱۵ھ)، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدي بن عبد المجید السلفي، دار النشر مکتبہ ابن تیمیہ، قاھرہ
۲۲. الطحاوی، احمد بن محمد، ابو جعفر، (۱۴۱۵ھ)، شرح مشکل الآثار، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۲۳. الطیالسی، سلیمان بن داود، (۱۴۱۹ھ)، المسند، تحقیق: محمد بن عبد المحسن، دارِ ہجر، مصر
۲۴. عبداللہ بن احمد بن حنبل، (۱۴۰۳ھ)، فضائل الصحابہ، تحقیق: وصی اللہ محمد عباس، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان
۲۵. عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی، (۱۳۹۷ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، لبنان
۲۶. عیاض بن موسیٰ، (۱۹۸۸ء)، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، حواشی، أحمد بن محمد بن محمد الشمنی، دار الفکر الطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت
۲۷. ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، (۱۴۰۸ھ)، البدایہ والنھایہ، دار إحیاء التراث العربی
۲۸. ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین، (۱۴۲۰ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، سعودی عرب
۲۹. قسطلانی، شہاب الدین احمد بن محمد، (دون السنہ)، المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، مصر
۳۰. ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، (دون السنہ)، السنن،، تحقیق: فواد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت، لبنان
۳۱. محمد بن احمد، تقی الدین، (۱۴۰۳ھ)، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
۳۲. محمد بن اسحاق، (۱۳۹۸ھ)، السیرۃ النبویہ، تحقیق: سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، لبنان
۳۳. محمد بن حبان بن احمد، (۱۴۱۴ھ)، الصحیح، تحقیق: شعیب الاربوط، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان
۳۴. ابن مندہ، محمد بن اسحاق (۱۴۰۶ھ)، الایمان، تحقیق: علی بن محمد بن ناصر، موسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان
۳۵. الموصلی ابویعلیٰ، احمد بن علی، (۱۴۰۶ھ)، المسند، تحقیق: حسین سلیم اسد، دار المامون لتراث، سوریا
۳۶. نواب، صدیق حسن، (۲۰۱۲ء)، الشمامۃ العنبریہ من مولدِ خیر البریہ، فاران اکیڈمی، لاہور، پاکستان
۳۷. النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، (۱۳۹۲ھ)، المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۳۸. النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، (۱۴۱۷ھ) المسائل المنشورہ، ترتیب: علاو الدین بن عطار، تحقیق و تعلیق: محمد الحجار، دار البشائر الاسلامیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان
۳۹. ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ، (۱۴۰۶ھ)، دلائل النبوہ، تحقیق، الدکتور محمد رواس، عبد البر عباس، دار النفائس، بیروت، لبنان
۴۰. الواقدی، محمد بن عمر، (۱۹۸۶ء)، کتاب المغازی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

علم اسناد و جرح کی تاریخ وارتقاء

History and Evolution of the Chain of Narration and Transmission

☆ڈاکٹر مفتی محمد اسماعیل خان

☆☆ڈاکٹر محمد تاج الدین

ABSTRACT

The Quran and Sunnah of the holy Prophet Muammad ﷺ is the core foundation of Islam. It is the greatest favour of Almighty Allah that He Himself takes the responsibility of guarding, protecting and preserving the Quran and Sunnah. Like The Holy Quran, the Hadith (Oral- Tradition) and the Sunnah is also the part of divine Revelation, therefore; it's inevitable that Allah would have taken care of it till the day of judgement.The Sanad (The Chain of narration) is the underpinning of the Sunnah and it is impossible to fully preserve it without the Sanad. Ilm-e- Isnad ensures that no false and fabricated hadiths attributed to the Prophet Muhammad ﷺ therefore,it has an utmost importance and significance.The Application of Sanad has become the part of collective Muslims' theoretical temperament and no act or claim is attributed to the Holy prophet ﷺ without meticulously following the process of Sanad. The process 0f Sanad has later evolved into an outright "Faculty of Knowledge" known as Ilm e Jarah (Chain of transmission.(The objective of Sunnah Studies is to differentiate between the authentic and the inauthentic Narrators. About half a million scholars has done an unprecedented and meticulous work to achieve this objective. This research paper is about the study of " the Chain of Narration and Transmission'. The study highlights the need and the pains taking efforts of the Companions of Prophet Muhammad ﷺ and rest of the religious scholars in compilation and collection of the Hadith and the Sunnah. On such solid grounds we can rightfully vet and analyse the authenticity of the Statement attributed to the Holy prophet Muhammad ﷺ.

Keywords: Hadith, Isnad o Rijal, Protecting, Chain of Narration, Transmission

دین اسلام کی بنیاد قرآن مجید اور سنت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہے۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے ان دونوں بنیادوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں تو یہ ارشاد بالکل واضح ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[(۱)]

☆ Assistant Professor of Islamic Studies, Govt. College Oghi,Mansehra

☆☆ Senior Research Scholar, FMRi, Minhaj University, Lahore

"ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

جبکہ حضور ﷺ کے ارشادات کو بھی قرآن مجید نے وحی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى○إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (۲)

"وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اتاری جاتی ہے"

چونکہ سنت اور حدیث بھی وحی کی ایک قسم ہے اس لئے یہ بھی قرآن مجید کے ساتھ ساتھ محفوظ ہے۔ سنت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ سند ہے اور اس کے بغیر حدیث کی حفاظت ناممکن ہے۔، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"الإسناد عندي من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء"(۳)

"میرے نزدیک سند دین کا حصہ ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو کچھ چاہتا کہہ ڈالتا"

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا، اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو بات کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ امام حاکم نیشاپوری، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتیں اور محدثین اس کو طلب نہ فرماتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں اور جھوٹی احادیث گھڑ لی جاتیں اور اہل بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر حدیث کو اسناد سے بے نیاز کر دیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد رہ جائیں گی۔(۴)

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو پوری صحت کے ساتھ منتقل کرنا ہو تو اس کے لئے صحیح سند کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ سند کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ روایت ثقہ اور عادل راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہو۔ اسی مقصد کے لئے ائمہ حدیث نے حدیث کو ہر قسم کے نقائص سے پاک رکھنے کی پوری سعی کی، صحیح احادیث کے مجموعے مرتب کئے اور ہر وہ چیز جو ہمارے دین کے لئے ضروری ہے، اسے سند کے ذریعے سے منتقل کرنے کا التزام کیا۔

سند کے علم کو مزید ترقی دینے کے لئے علم رجال کا فن وجود میں آیا۔ رجال سے متعلق دو پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ ایک پہلو تو رجال کے بارے میں معلومات، ان کے حالات زندگی، حصول علم اور طلب حدیث کے بارے میں

---

(۱) سورۃ الحجر، ۹/۱۵

(۲) سورۃ النجم، ۵۳/۳ - ۴

(۳) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۵

(۴) حاکم، محمد بن عبد اللہ النیشابوری، (۱۹۷۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ص:۶

معلومات اور ان رجال کی شخصیت اور کردار کے بارے میں تفصیلات سے متعلق ہے۔ اس پہلو سے متعلق علم کو علم الرجال یا اسماء الرجال کہتے ہیں۔ جبکہ دوسرا پہلو کسی راوی حدیث کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول و قواعد اور ان اصول و قواعد کی روشنی میں کسی راوی کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس فن کو علم جرح و تعدیل کہتے ہیں۔

ان علوم کا مقصد یہ ہے کہ ثقہ اور ضعیف راویوں کے درمیان امتیاز ہو سکے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے اتنی کوشش اور تحقیق کی گئی جس کی نظیر ہمیں اسلام کے علاوہ دیگر اَدیان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ایک مشہور مغربی مستشرق ڈاکٹر سپر نگر کا قول نقل کیا ہے:

"دنیا کی کوئی قوم اس باب میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ رجال جیسا فن ان کے ہاں ہو، نہ ماضی میں کسی قوم کا اس طرح فن ہوا اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے کہ رجال جیسا فن، جیسا کہ مسلمانوں میں ہے، کسی اور قوم میں وجود میں آئے۔ یہ ایسا علم ہے کہ پانچ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ان پانچ چھ لاکھ شخصیات کی بنیاد پر ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے، اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے"[1]

اسناد اس امت کی وہ خصوصیت ہے جو اس سے پہلے کسی امت کو نصیب نہ ہو سکی۔ حافظ ابو علی جیانی فرماتے ہیں کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو اس سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائی ہیں۔

۱-اسناد ۲-انساب ۳-اعراب

دیگر ادیان میں سند کا تصور نہیں، چنانچہ اگر ہم توراۃ اور انجیل کو دیکھیں تو ہمیں بہت سے لوگوں کے لکھے ہوئے نسخے ملتے ہیں، ان میں باہم اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس اختلاف کی بنیاد سند پر نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کے علوم کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک و شبہات باقی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر حدیث کے لئے سند ضروری ہے، چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اور پھر اس سند کی علماء کرام نے تحقیق کی ہے اور حقیقت حال کو واضح کیا ہے، بلکہ ہمارے ہاں تو سند، حدیث کا حصہ ہے اور سند کے بغیر حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔

---

[1] غازی، محمود احمد، محاضرات حدیث، ص:۱۹۸

سند اور اسناد کی تعریف

لغت میں اسناد "اَسنَدَ" کا مصدر ہے اور اس سے مراد اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا ہے۔ اسی طرح سند لغت میں معتمد کو بھی کہتے ہیں کیونکہ متن کا سہارا اور اعتماد سند پر ہوتا ہے۔[۱] اصطلاحی طور پر کسی قول کو اس کے قائل تک پہنچانا اسناد کہلاتا ہے، اسی طرح متن تک پہنچنے کے ذریعے کو بھی اسناد کہتے ہیں، اسی طرح سند سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو حدیث کے ابتدائی راوی یا جامع سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ محدثین کے ہاں سند اور اسناد ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[۲]

متن کی تعریف

متن لغت میں سخت اور اونچی زمین کو کہتے ہیں جبکہ محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد کلام کا وہ حصہ ہے جہاں سند ختم ہو جاتی ہے[۳]۔ ذیل کی سطور میں ایک مثال کے ذریعے سے سند اور متن کی وضاحت کی جاتی ہے۔

"حدثنا محمد بن عبيد الغبري حدثنا أبو عوانة عن أبي حصين عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"[۴]

اس حدیث میں پہلا جزء جو راویوں پر مشتمل ہے، سند کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا جزء جس کو خط کشیدہ کیا گیا ہے اور جس میں حکم بیان کیا گیا ہے، متن کہلاتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اسناد کی اہمیت

قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات منسوب کی جائے وہ ہر اعتبار سے قطعی اور یقینی ہو، تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ یہ بات معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس اصول کے بارے میں قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں:

---

(۱) زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، (س۔ن)، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایہ، بیروت۔ ص:۲۱۵-۲۱۶

(۲) حموی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بدر الدین، (س۔ن)، المنہل الروی فی مختصر علوم النبوی، دار الفکر، دمشق۔ ص:۳۰

(۳) ۱۔ ایضاً: ص:۳۰

۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۳۶/۱۴۶-۱۴۶

(۴) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۰، رقم:۳

(۱) - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[۱]

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (غیر ذمہ دار شخص) خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔"

یہ آیت اگرچہ براہ راست حدیث سے متعلق نہیں ہے لیکن اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ ہر خبر کی تحقیق کرنی چاہئے۔ جب دنیاوی معاملات میں تحقیق کی اتنی اہمیت ہے تو حضور ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کے بارے میں خبر دینا تو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے اس بات کی تحقیق کرنا اور اس بات کو یقینی بنانا کہ یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے، انتہائی ضروری ہے۔

(۲) - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾[۲]

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کو آزما کر دیکھو۔"

یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب مکہ مکرمہ سے بڑی تعداد میں خواتین نے ہجرت کرکے مدینہ آنا شروع کیا اور ہر عورت نے یہ کہا کہ چونکہ اس نے اسلام قبول کیا ہے، اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر عورت کے دعویٰ کو قبول کیا جائے یا اس کی تصدیق و تحقیق کی جائے۔ حالانکہ یہ معاملہ ایک اعتبار سے بڑا اہم بھی تھا، کیونکہ جو عورت اسلام قبول کر چکی ہے اور اس نے حضور ﷺ کو دیکھا بھی ہے تو وہ صحابیہ ہو گئی۔ اس کے باوجود بھی "فامتحنوھن" کا حکم دیا جا رہا ہے[۳]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کا دعویٰ ہو کہ وہ صحابی رسول ﷺ ہے تو اس دعویٰ کی تحقیق کر لینی چاہئے۔

(۳) - ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾[۴]

"اور اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ بنالو۔"

---

(۱) سورۃ الحجرات، ۴۹/۶

(۲) سورۃ الممتحنہ، ۶۰/۱۰

(۳) پانی پتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (س۔ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ ۹/۲۶۴

(۴) سورۃ الطلاق، ۶۵/۲

شہادت اور روایت میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے لیکن کئی اعتبار سے ان میں مماثلت ہے۔ اس لئے جس طرح گواہ کے لئے قابل اعتماد اور عادل ہونا ضروری ہے، اسی طرح راوی کے لئے بھی بنیادی وصف عدالت ہے۔ مذکورہ آیت س جہاں گواہ کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ وہاں اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ راوی بھی عادل ہو۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کریمہ سے اسناد کی تحقیق کا اصول ملتا ہے۔

اَحادیث کی روشنی میں سند کی اہمیت:

جب ہم حضور ﷺ کی احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ سے ہر بات کو آگے منتقل کرنے سے پہلے خوب تحقیق کا حکم دیا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس نوعیت کی چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) - "عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع"(۱)

"کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو بات سنے اسے آگے بیان کر دے"۔

اس حدیث میں ہمیں واضح طور پر حکم ملتا ہے کہ جب کوئی بات سنو تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، اگر سچی ثابت ہو جائے تو آگے بیان کرو، ورنہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان نہ کرو۔ جب عام باتوں میں تحقیق کا حکم دیا جارہا ہے تو روایت حدیث تو بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، اس لئے اس میں تو تحقیق کرنا لازمی ہے۔

(۲) - "عن بن عباس عن النبي ﷺ قال اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار"(۲)

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو مگر ایسی حدیث جن کا تم علم رکھتے ہو، اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ صرف وہ احادیث آگے روایت کرنی چاہئیں جن کے بارے میں یقینی طور پر علم ہو کہ یہ حدیث حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اور حقیقت تک رسائی بغیر تحقیق کے ناممکن ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی احادیث کی تحقیق ضروری ہے۔

---

(۱) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۰، رقم:۵

(۲) ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۵/۱۹۹، رقم:۲۹۵۱

(۳) - "عن فاطمة بنت قيس ﷺ قالت: فلما حللت ذكرت له أن معاوية بن أبي سفيان وأبا جهم خطباني فقال رسول الله ﷺ أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، وأما معاوية فصعلوك لا مال له أنكحي أسامة بن زيد"(۱)

"حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میں اپنی عدت سے فارغ ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جہم تو اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں ہٹاتے اور معاویہ فقیر آدمی ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔"

اس حدیث میں ایک عورت کی خیر خواہی کی بناء پر دو صحابیوں کے عیب ان کی عدم موجودگی میں بیان کیے گئے ہیں کیونکہ اس سے مقصود ایک عورت بلکہ ایک خاندان کی خیر خواہی ہے۔ جب اس کو غیبت قرار نہیں دیا جا سکتا تو دین کے تحفظ کے لئے راویوں کی تحقیق کرنا اور ان پر جرح وقدح کرنا بھی امت مسلمہ کی خیر خواہی شمار ہو گی۔

(۴) - "عن أبي هريرة يقول قال رسول الله ﷺ يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم لا يضلونكم ولا يفتنوكم"(۲)

"حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی روایات لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا، نہ تمہارے باپ دادوں نے، تم ان سے دور رہو، وہ تم کو گمراہی اور فتنہ میں ڈالنے نہ پائیں۔"

(۵) - "عن المغيرة بن شعبة سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم لا يضلونكم ولا يفتنوكم"(۳)

(۱) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۲/۱۱۱۴، رقم: ۱۴۸۰

(۲) مسلم، الصحیح، ۱/۱۲، رقم: ۷

(۳) مسلم، الصحیح، ۱/۱۰، رقم: ۴

"حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جس طرح کہ تم ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہو، اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے"۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی احادیث قبول کرنے اور بیان کرنے میں احتیاط کا دامن ہر وقت تھامنا ضروری ہے۔ اسی طرح احادیث رسول ﷺ کی پہچان کے سلسلے میں سند کی اہمیت بھی واضح ہوگئی کہ راوی کے صادق وکاذب ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسناد و جرح

سند کی تحقیق اور اس بارے میں سوال وجواب عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شروع ہو گیا تھا۔ ابتداء میں تو صرف اتنی تحقیق کی جاتی تھی کہ صحابی رسول ﷺ جو روایت بیان کر رہے ہیں وہ ان کو صحیح طور پر یاد بھی ہے یا نہیں۔ جہاں انہیں سو فیصد یقین ہوتا تھا کہ صحابی رسول ﷺ جو بات بیان فرما رہے ہیں وہ اپنے قطعی یقین اور مشاہدہ کی بنیاد پر بیان کر رہے ہیں اور اس میں بھول چوک کا امکان نہیں، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تحقیق و تصدیق کے عمل کو نظر انداز کرتے تھے۔

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سند اور راویوں کے بارے میں تحقیق کا سلسلہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ نے شروع کیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سوا دو سال خلیفہ رہے اور ظاہر ہے کہ ان کے سامنے جو لوگ احادیث بیان کرتے تھے وہ سارے کے سارے صحابہ تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے تصدیق و تحقیق کی روش اس لئے اپنائی کہ لوگ یہ ذہن نشین کر لیں کہ کوئی چیز حضور ﷺ کی طرف غلط منسوب نہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میں ایک عورت آئی اور کہا کہ مجھے پوتے کی میراث سے حصہ دلوادیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ مجھے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں تمہارا حصہ معلوم نہیں، آپ اب چلی جائیں، میں اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معلوم کروں گا۔ اس کے بعد لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے دادی کو سدس دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو اس واقعہ کا گواہ ہو؟ اس پر ایک صحابی رسول ﷺ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ میں اس کا گواہ ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو چھٹا حصہ دیا[1]۔

---

(1) ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان. ۳/۱۲۱، رقم: ۲۸۹۴

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابی رسول ﷺ کی حدیث کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ مزید سند اور گواہ کے بعد حدیث کو قبول فرمایا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی سند کی تصدیق و تحقیق ثابت ہے۔ ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ وہاں جا کر جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی نے جواب نہیں دیا، جب دوسری دفعہ کھٹکھٹایا تو بھی کوئی جواب نہیں ملا، جب تیسری مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا اور کوئی جواب نہ ملا، تو وہ واپس ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے کسی کو بھیجا اور انہیں بلایا اور پوچھا کہ آپ گھر میں کیوں داخل نہیں ہوئے؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اجازت لینا تین دفعہ ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس ہو جاؤ۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اس حدیث پر کوئی دوسرا گواہ ہے؟ اگر تم نے گواہ نہ پیش کیا تو تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں پہنچے جہاں انصار بیٹھے ہوئے تھے، انہیں یہ واقعہ سنایا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ گواہی کے لئے چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی پیش کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ میں احادیث کے معاملہ میں بہت امانت دار ہوں اور میں پوری ذمہ داری سے بات کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھیے، میں نے آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا، میں آپ پر کوئی تہمت نہیں لگا رہا کہ خدانخواستہ آپ غلط بیانی کر رہے ہیں، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ لوگوں کو بار بار احادیث بیان کرتے دیکھ کر اور ہمیں آسانی سے قبول کرتے دیکھ کر لوگوں میں یہ جرأت پیدا نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو چاہیں ہر وقت بیان کر دیں[۱]۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راوی کے بارے میں تحقیق کرتے تھے اور اس سلسلے میں جو بھی احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکتی تھیں وہ اختیار فرماتے تھے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رجال کے بارے میں تفتیش اور روایت میں تحقیق کی ابتداء حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کی۔ احادیث کی جانچ کے سلسلے میں ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سختی کرنے کی وجہ یہی تھی کہ بعد میں آنے والے حدیث کے سلسلے میں جھوٹ نہ بولیں، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اس طرح کے شبہات سے بالاتر تھی[۲]۔

یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک جاری رہا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے زیادہ کسی اہتمام کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لیے کہ روایت کرنے والے سب صحابی رسول ﷺ تھے، صحابہ کرام رضی

---

(۱) مالک بن انس، (س۔ن)، الموطأ، دار احیاء التراث العربي، بیروت. ۲/ ۹۶۴، رقم: ۱۷۳۱

(۲) ابن حبان، محمد بن حبان، (س۔ن)، المجروحین من المحدثین، دار الوعي، حلب. ۱/ ۳۸

اللہ عنہم ایک دوسرے کو جانتے تھے، اس لیے وہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ روایت کرنے والا صحابی ہے یا نہیں، کیونکہ غیر صحابی تو صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سوائے اس کے کہ حلفیہ بیان لیا جائے یا کسی دوسرے صحابی کی گواہی شامل کر لی جائے، کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

دور صحابہ کرام ﷡ کے بعد اسناد و جرح

صحابہ کرام ﷡ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا۔ یہ لوگ بھی صحابہ کرام ﷡ کے تربیت یافتہ تھے اور تقویٰ و طہارت اور اخلاق و کردار کے بلند معیار پر فائز تھے، لیکن اس کے باوجود ہر عام تابعی کا معیار اس درجے کا نہیں تھا جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خاص تربیت یافتہ تابعین کا تھا۔ پھر حافظہ و ضبط اور بات سمجھنے میں بھی سب کا معیار ایک جیسا نہیں تھا۔ اس لیے اس بات کا امکان پیدا ہوا کہ تابعین میں سے کوئی بزرگ کسی حدیث کو اس کے سیاق وسباق میں نہ سمجھ سکے اور بات کو اصل مفہوم اور پس منظر سے ہٹ کر کسی اور مفہوم میں بیان کر دے، چنانچہ اس مقصد کے لئے اسناد کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔

اسی طرح جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو مختلف فرقے اور گروہ وجود میں آ گئے اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں دروغ بیانی کا آغاز ہوا۔ صحابہ و تابعین نے وضع حدیث کے ان رجحانات کا اہتمام کے ساتھ سد باب کیا۔ حدیث کے راویوں سے سند طلب کرنے میں سختی اختیار کی اور صحیح حدیث کے لئے سند کو لازم و ملزوم ٹھہرایا۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم"(۱)

"لوگ سند کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے مگر جب فتنہ ظاہر ہوا تو انہوں نے روایت کرنے والوں سے کہا: ان لوگوں کا نام ہمیں بتاؤ جن لوگوں سے تم نے حدیث سنی ہے۔ اسی طرح سے جو سنت کا حامل ہوتا اس کی حدیث لے لی جاتی اور جو بدعتی ہوتا اس کی حدیث چھوڑ دی جاتی"۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک اور واقعہ نقل فرمایا ہے کہ بشیر بن کعب عدوی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کی اور بار بار قال رسول اللہ ﷺ کہنے لگے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی بات کو کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بشیر بن کعب عدوی کہنے لگا، میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ اعراض کر رہے ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو سمجھاتے

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/۱۵

ہوئے فرمایا کہ ہم پر ایک زمانہ یوں گزرا ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو ہماری نگاہیں فوراً بے ساختہ ہو جاتی تھیں اور اپنے کانوں کو اسی طرف جھکا دیتے تھے۔ مگر اس وقت آپ ﷺ کی طرف حدیثوں کو گھڑ کر جھوٹ بولنے والوں کا رواج نہیں تھا۔ مگر اب لوگوں میں جھوٹ اور سچ کی تمیز جاتی رہی ہے، تو ہم اس شخص سے حدیث قبول کرتے ہیں جس کو ہم جانتے ہوں(۱)۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ سے ربیع نے کہا کہ جو شخص "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير" دس بار کہے گا، اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع سے پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ کہنے لگے، عمرو بن میمون ازدی نے، میں عمرو بن میمون ازدی سے ملا، ان سے پوچھا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا عبد الرحمن بن ابی لیلی نے، میں ابن ابی لیلیٰ سے ملا اور پوچھا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے(۲)۔

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے کہ امام عامر الشعبی رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق وجستجو کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔(۳)

سند کے بارے میں تحقیق کا یہ سلسلہ کبار تابعین کے دور میں جاری رہا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد جب کبار تابعین کا دور بھی ختم ہوا اور احادیث کے سلسلے میں بے احتیاطی شروع ہونے لگی، تو اسناد نے ضرورت کی شکل اختیار کی اور جو شخص یہ چاہتا کہ اس کی روایت قبول ہو وہ سند ضرور بیان کرتا(۴)۔

صغار تابعین کے دور میں سند ذکر نہ کرنا ناقابل معافی جسارت قرار دیا گیا۔ عتبہ بن حکیم فرماتے ہیں:

میں اسحاق بن ابی فروہ کے پاس تھا، وہاں ابن شہاب زہری بھی موجود تھے۔ ابن ابی فردہ نے بغیر سند حدیث بیان کی، زہری نے کہا کہ ابن ابی فروہ! اللہ تجھے برباد کرے، تو دین کے بارے میں کتنا جری ہو گیا ہے کہ اپنی حدیث کی سند ہی بیان نہیں کرتا(۵)

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/ ۱۲

(۲) ابن عبد البر، ابو عمر و یوسف بن عبد اللہ، (س۔ن)، التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، وزارت عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب۔ ۱/ ۵۵

(۳) اکرم بن ضیاء العمری، (س۔ن)، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، بساط، بیروت۔ ص ۵۰

(۴) ایضاً: ص: ۵۰

(۵) ابو سلمان سراج الاسلام حنیف، (۲۰۰۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار القرآن والسنۃ، شہباز گڑھی، مردان۔ ص ۱۱

اس کے بعد سند کا مطالبہ کیا جانے لگا کیونکہ اسناد کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی تصدیق اور تحقیق اس کے بغیر مشکل تھی، چنانچہ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الإسناد من الدين، ولولا الإسناد، لقال من شاء ما شاء"(۱)

"اسناد دین کا حصہ ہے، اگر اسناد کا عمل نہ ہوتا تو دین کے بارے میں جس کا جی جو چاہتا کہہ دیا کرتا"۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا، اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ سند کا یہ تصور صرف اور صرف مسلمانوں کی روایت میں پایا جاتا ہے۔ کسی اور قوم کی مذہبی یا غیر مذہبی روایت میں سند کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

چونکہ اب سند کو دین کا حصہ قرار دیا گیا تو راویوں کا کردار اور شخصیت زیر بحث آنا شروع ہوا اور یوں علم رجال کی بنیاد پڑی، چنانچہ تابعین میں سے حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ نے علم رجال کے کام کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں تو پہلا کام یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں اور ان کے حالات جمع کیے جائیں تاکہ صحابی اور غیر صحابی کا پتہ چل سکے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا، علماء حدیث، رجال پر معلومات جمع کرتے رہے اور اس طرح پانچویں صدی تک رجال کی معلومات مکمل طور پر جمع ہو گئیں۔ یوں پانچ چھ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آگیا، اور ان شخصیات کی بنیاد پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔

علم رجال کی امہات الکتب:

جب علم الرجال وجود میں آیا تو اہل علم نے اس پر متنوع انداز میں کتابیں تالیف فرمائیں۔ بعض حضرات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح کو موضوع بنایا جو معرفۃ الصحابہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بعض نے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے حالات جمع کیے جو طبقات کے نام سے معروف ہیں، اور بعض حضرات نے راویان حدیث کی توثیق و تجریح کو موضوع بنایا اور علم جرح و تعدیل کی کتابیں وجود میں آ گئیں۔ ذیل کی سطور میں پہلے معرفۃ الصحابہ کے متعلق اہم کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد علم رجال اور جرح و تعدیل کے متعلق چند کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/ ۱۴

معرفۃ الصحابہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں سب سے قدیم کتاب علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی "الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب" ہے۔ جو آج بھی دستیاب ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ساڑھے سات ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے۔ اس موضوع پر اس کے بعد علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام "أسد الغابة فی معرفة الصحابة" ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے کے متعلق ایک کتاب علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تحریر فرمائی ہے۔ اس کا نام "الإصابة فی تمییز الصحابة" ہے اور اس میں بارہ ہزار صحابہ کرام ﷡ کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کتاب علامہ ابن سعد رحمہ اللہ کی "طبقات ابن سعد" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت جتنے بھی راویان حدیث تھے، ان سب کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تمام کتابیں آج کل ہر جگہ دستیاب ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں براہ راست معلومات کا مستند ترین، جامع اور بہترین ذخیرہ ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اسی طرح علم رجال پر بھی بہت کام ہو چکا ہے اور محدثین کرام نے اس فن کو غیر معمولی توجہ دی ہے اور راویوں کے احوال پر بڑی بڑی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ ان کتب میں سے بعض کتابیں تو انتہائی جامع انداز میں لکھی گئی ہیں اور ان میں ضعیف و ثقہ ہر طرح کے راویوں پر بحث کی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض محدثین نے صرف ضعیف راویوں پر اور بعض نے صرف ثقہ راویوں پر قلم اٹھاتے ہوئے تفصیلی بحث کی ہے۔ ذیل میں ان کتب میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

جرح و تعدیل پر لکھی جانے والی کتب کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(الف) ضعیف راویوں پر لکھی جانے والی کتب

(ب) ثقہ راویوں پر لکھی جانے والی کتب

(ج) ضعیف و ثقہ ہر دو قسم کے راویوں پر مشتمل کتب

(الف) ضعیف و ثقہ راویوں پر مشتمل کتب

محدثین کرام نے ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں کثرت سے کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے بعض اہم اور مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

۱ - التاریخ الکبیر

یہ کتاب امام ابو عبداللہ محمد بن ابوالحسن بن ابراہیم بن المغیرۃ البخاری متوفی ۲۵۶ھ کی تالیف ہے[1]۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے حوالے سے خود ذکر فرمایا ہے کہ میں اپنے بھائی اور والدہ کے ہمراہ حج کے سفر پر گیا۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بھائی اور والدہ تو واپس آگئے لیکن میں علم حدیث کے حصول کے سلسلے میں وہاں رہ گیا۔جب میری عمر اٹھارہ سال ہوئی تو میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے مسائل و احکام آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب لکھنا شروع کیے[2]۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ۱۳۷۸۲ راویوں کے تراجم جمع کیے ہیں۔اگرچہ بہت سے راویوں کا تذکرہ اس کتاب میں موجود نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی یہ اس سلسلے کی ایک ضخیم کتاب ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے علاوہ راویوں کے متعلق "التاریخ الاوسط" اور "التاریخ الصغیر" بھی تالیف کی ہیں۔یہ دونوں کتب بھی ضعفاء اور ثقات راویوں سے متعلق ہیں۔

۲ - الجرح والتعدیل

یہ کتاب امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر بن داؤد بن مہران التمیمی الرازی متوفی ۳۲۷ھ کی تالیف ہے[3]۔مؤلف ابن ابی حاتم کے نام سے مشہور ہیں۔جرح و تعدیل کے فن میں ان کی یہ کتاب انتہائی جامع ترین ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں انہوں نے ایک مفید اور طویل مقدمہ "تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل" کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں سند کی اہمیت، راویوں کے مراتب اور طبقات، صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کا تعارف اور نقاد اہل علم کے حالات زندگی اور چار طبقات میں ان کی تقسیم فرمائی ہے۔

۳ - الکمال فی اسماء الرجال

یہ کتاب امام عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی الدمشقی ابو محمد تقی الدین متوفی ۶۰۰ھ کی تالیف ہے۔اس کتاب میں فاضل مؤلف نے صحیحین اور سنن اربعہ کے راویوں کے حالات جمع کیے ہیں۔کتاب کو انہوں نے دو

---

(1) ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد (۲۰۰۶ء)، دارالحدیث، قاہرہ۔ ۱۲/۳۱۹

(2) ۱۔ ایضا: ۱۲/۴۰۰

۲۔ خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت (س۔ن)، تاریخ بغداد، دارالغرب الاسلامی، بیروت۔ ۲/۷

(3) ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۲۶۳

حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور دوسرے حصہ کی ابتداء تابعین سے کی ہے اور اس کے بعد دیگر راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۴ - تہذیب الکمال فی اسماء الرجال

یہ کتاب امام یوسف بن عبد الرحمن بن یوسف ابو الحجاج جمال الدین ابن الزکی ابی محمد القضاعی الکلبی المزی متوفی ۷۴۲ھ کی تالیف ہے۔ حافظ مزی نے جب "الکمال" کا مطالعہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ اس کتاب میں راویوں کے اسماء میں بہت نقص اور وہم پائے جاتے ہیں، چنانچہ ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ انہی معلومات کی بنیاد پر ایک ایسی کتاب مرتب کرنی چاہیے جو مذکورہ نقائص سے پاک ہو۔ چنانچہ انہوں نے "تہذیب الکمال" تحریر فرمائی۔

۵ - التذکرۃ بمعرفۃ رجال الکتب العشرۃ

یہ کتاب امام شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی بن الحسن بن حمزہ الدمشقی متوفی ۷۶۵ھ کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں خود تحریر کیا ہے کہ حافظ المقدسی کی الکمال بہت طویل تھی، چنانچہ میں نے اس کی تلخیص کی۔ میں نے اس کتاب میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں کے راویوں کو حذف کیا۔ البتہ ائمہ اربعہ کے اقوال و اسانید کی اہمیت کے پیش نظر ان کے رجال کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے[1]۔

۶ - تہذیب التہذیب

یہ کتاب امام ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب کتب ستہ کے مؤلفین کے احوال و حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی انہوں نے خود ہی تلخیص کی ہے اور اس کا نام "تقریب التہذیب" رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ راوی کے حالات مختصراً دو تین جملوں میں آ جائیں۔ جرح و تعدیل کی کتب کے سلسلے میں حافظ ابن حجر کی یہ دونوں کتابیں نہایت ہی اہم کاوش ہیں۔

(ب) ثقہ راویوں کے بارے میں تصانیف

محدثین کرام نے جس طرح ثقہ اور ضعیف راویوں پر مشتمل کتب تحریر فرمائی ہیں، اسی طرح صرف ثقہ راویوں کے بارے میں بھی کتب تحریر کی ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس سلسلے کی چند اہم کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

---

(۱) مقدمۃ التذکرۃ بمعرفۃ رجال الکتب العشرۃ: ج:۱، ص:۴۔

۱ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی متوفی ۲۶۱ھ کی تالیف ہے۔ حافظ نورالدین ھیثمی کی ترتیب سے یہ کتاب مکمل طور پر موجود ہے۔ حافظ عجلی کو متساہل نقاد میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ البانی نے اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔

۲ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام محمد بن احمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ کی تالیف ہے۔ ابن حبان نے یہ کتاب طبقات پر مرتب کی ہے۔ انہوں نے ثقہ راویوں کے بارے میں ایک دوسری کتاب "مشاهير علماء الامصار" کے نام سے بھی تحریر کی ہے۔

۳ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی المعروف بابن شاھین متوفی ۳۸۵ھ کی تالیف ہے۔ ان کی تالیف ثقات کے بارے میں اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے راوی کے حالات انتہائی مختصر انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ ان کی کتاب میں تراجم کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔

(ج) ضعیف راویوں پر لکھی جانے والی کتب

محدثین کرام رحمہم اللہ نے جس طرح ثقہ رایوں کے بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں، اسی طرح ایسی کتب بھی تالیف کیں جو صرف ضعیف راویوں کے متعلق ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس سلسلے کی چند کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱ - معرفۃ المجروحین من المحدثین

یہ کتاب امام محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم التمیمی البستی متوفی ۳۵۴ھ کی تالیف ہے۔ ضعیف راویوں کے بارے میں یہ ایک اہم کتاب ہے۔ کتاب کی ابتداء میں انہوں نے ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں ضعیف راویوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی اہمیت، احادیث رسول ﷺ قبول کرنے میں احتیاط کی ضرورت اور جرح کے جواز وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ابن حبان کا شمار متشدد نقاد میں ہوتا ہے اور ان کے اقوال میں شدت پائی جاتی ہے[۲]۔

---

(۱) ابو عبدالرحمن محمد ناصرالدین، (س۔ن)، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ وشیئ من فقھہا وفوائدہا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض۔ ۲/۲۱۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد، (۱۳۲۶ھ)، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہند۔ ۳/۳۶۱

۲-الکامل فی ضعفاء الرجال

یہ کتاب امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد بن مبارک بن القطان الجرجانی متوفی ۳۶۵ھ کی تالیف ہے۔ ان کی یہ کتاب ضعیف راویوں کے بارے میں ایک جامع کتاب ہے اور اس کی سات مطبوعہ جلدوں میں ۲۲۰۶ راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ اس فن میں ان کی اس کتاب کا شمار نہایت اہم اور مشہور کتب میں ہوتا ہے۔

۳-میزان الاعتدال فی نقد الرجال

یہ کتاب امام امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی متوفی ۷۴۸ھ کی تالیف ہے۔ ضعفاء کے متعلق لکھی جانے والی کتب میں یہ اہم ترین کتاب ہے۔ انہوں نے اس سلسلے کی تمام کتب سے استفادہ کرتے ہوئے ۱۱۰۵۳ رجال کے تراجم جمع کر دیئے ہیں۔

۴-لسان المیزان

یہ کتاب ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی تالیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی میزان الاعتدال کو بنیاد بنا کر اس کتاب کی تالیف کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کتاب میں صحاح ستہ کے راویوں کو حذف کر دیا ہے کیونکہ ان راویوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب "تھذیب الکمال" میں کیا ہے، جبکہ بعض جگہ انہوں نے کچھ ایسے تراجم کا اضافہ کیا ہے جو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

نتائج بحث

اسناد ایسا علم ہے جس کے ذریعے پانچ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ان لاکھوں شخصیات کے تعارف کی بنیاد پر ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے، اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ دنیا کی کوئی قوم اس باب میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ درست ہے کہ اسماء الرجال جیسا فن نہ ماضی میں کسی قوم کا ہوا اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے کہ اس جیسا فن کسی اور قوم میں وجود میں آئے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

١. ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، (س.ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان

٢. اکرم بن ضیاء العمری، (س۔ن)، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، بساط، بیروت

٣. پانی پتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (س.ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

٤. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار احیاء التراث العربی، بیروت

٥. ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد، (١٣٢٦ھ)، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہند

٦. خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت (س۔ن)، تاریخ بغداد، دار الغرب الاسلامی، بیروت

٧. ذہبی، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد (٢٠٠٦ء)، دار الحدیث، قاہرہ

٨. زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، ()، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایہ، بیروت

٩. ابن حبان، محمد بن حبان، (س.ن)، المجروحین من المحدثین، دار الوعی، حلب

١٠. حاکم، محمد بن عبد اللہ النیشابوری، (١٩٧٧ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت

١١. حموی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بدر الدین، (س۔ن)، المنہل الروی فی مختصر علوم النبوی، دار الفکر، دمشق

١٢. ابو سلمان سراج الاسلام حنیف، (٢٠٠٧ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار القرآن والسنۃ، شہباز گڑھی، مردان

١٣. ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین، (س۔ن)، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ وشیئ من فقہہا وفوائدہا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض

١٤. ابن عبد البر، ابو عمر و یوسف بن عبد اللہ، (س۔ن)، التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، وزارت عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب

١٥. مالک بن انس، (س.ن)، الموطأ، دار احیاء التراث العربي، بیروت

١٦. مسلم، مسلم بن الحجاج، (٢٠٠٣ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان

مسلم فکر کے اِحیاء میں امام غزالی کا کردار

The role of Imam Ghazali in the renaissance of Muslim thought

☆ عبد الجبار قمر

☆☆ ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل

ABSTRACT

Abu Hamid Al-Ghazali (450 ھ, 1058 A.C) known as "Algazel" in the West is one of the most eminent thinker of Islam, writings of Imam Ghazali influenced such great Muslims scholars like Maulana Room, Shaykh-ul-Ishraq and Shah Wali Ullah. They have reflected the rational ideas of Ghazali in their even the eminent Persian poet like Attar, Roomi, Saadi, Hafiz and Iraqi. He tried to reconcile the texts of Islam with the teaching of prevailing philosophy and science. Not only Muslims but also Western philosophers were influenced by the ethical philosophy of Imam Ghazali. Western philosophers translated his books in English, French and Latin languages. Alfred Guilloume says: "The Christian West became acquainted with Aristotle by way of Avicenna, Al-Farabi and Alghazel." His masterpiece "Ihay-ul-Uloom" was widely read by Muslims, Jews and Christians and influenced Thomas Acquinas and even Blaise Pascal. Ghazali, undoubtedly is one of the greatest thinkers of Islam who has immensely contributed to cultivate the social, political, ethical and metaphysical outlook of Islam. Alfred Guilloueme, "Philosophy and Theology," the legacy of Islam, edited by Thomas Arnold and Alfred Guillaume, London: Oxford University Press, 1931.

Keywords: Ghazali, Thought, Knowledge, Vision.

امام غزالی کا نام محمد، آپ کا لقب حجتہ الاسلام اور آپ کی کنیت ابو حامد تھی۔ آپ کی ولادت خراساں کے ضلع طوس میں "طاہران" کے مقام پر ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ صرف ۳۴ برس کی عمر میں آپ کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر نظام الملک نے آپ کو مدرسہ نظامیہ بغداد کی صدارت کے لیے منتخب کیا۔ آپ نے عقائد باطلہ کے رد میں تاریخی خدمات سرانجام دیں۔ خاص طور پر فلسفہ اور باطنیہ کے رد میں آپ نے گرانقدر تصنیفات لکھیں۔

☆ پی ایچ ڈی سکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

امام غزالی نہ صرف اس صدی کے فکری مجدد تھے بلکہ احیائے دین میں بھی آپ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ امام غزالی کا دور فلسفے اور باطنیت پرستی کا دور تھا۔ آپ نے معتزلہ، فلاسفہ، باطنیہ، غرضیکہ ہر فرقے میں پائی جانے والی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ فلسفہ کے رد میں آپ نے تہافتہ الفلاسفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کے اثرات نہ صرف مسلمان صوفیاء پر ہی نہیں پڑے بلکہ یورپ کے مفکرین پر بھی اس نے بڑے گہرے نقوش چھوڑے۔

امام غزالی فکر کی دنیا میں زبردست اہمیت کے مالک ہیں۔ جس طرح آفتاب طلوع ہو کر ستاروں کو ماند کر دیتا ہے، اسی طرح انہوں نے مشرق میں مسلم تاملات پر بڑی کاری ضرب لگائی۔ امام غزالی کا شمار ان چوٹی کے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے الہیات، تصوف، منطق، اخلاقیات اور عوام کی دینی اگاہی میں غیر فانی نقوش ثبت کیے۔

پروفیسر عبد الخالق لکھتے ہیں:

"امام غزالی کے نظامِ فکر میں سب سے زیادہ اہمیت اس کے طریقۂ کار کو حاصل ہے۔ اس کا تعلق مفکرین کے اس گروہ سے ہے جن کا اندازِ فکر خود ان کی زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طریقہ کار کی وضاحت ہمیں اس کی اپنی داستانِ حیات میں ملتی ہے۔ اپنی وفات سے کچھ ہی برس بیشتر آپ نے ایک کتاب بعنوان "المنقذ من الضلال" لکھی جس میں آپ نے تلاش حقائق کی خاطر اپنے ذہنی سفر کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی۔"(۱)

علمائے اسلام کے ہاں امام غزالی مقام ومرتبہ:

تاریخ اسلام میں جن چند کتابوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ اور ان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے اور جن سے اسلامی حلقے طویل عرصہ تک متاثر رہے ہیں، ان میں "احیاء علوم الدین" کو ممتاز مقام حاصل ہے۔

۱ - حافظ زین الدین العراقی (۸۰۶-۷۲۵ء) جنہوں نے اس کتاب کی احادیث کی تشریح اور تخریج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"امام غزالی کی احیاء علوم الدین اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے۔"(۲)

۲ - عبد الغافر الفارسی جو امام غزالی کے معاصر اور امام الحرمین کے شاگردوں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں:

"احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی۔"(۱)

---

(۱) عبد الخالق، ڈاکٹر، (۱۹۸۱ء)، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز، لاہور۔ ص ۱۷۷

(۲) العیلاوس، تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء، ص ۵

۳ - شیخ محمد گازرونی کہتے ہیں:

"اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیے جائیں تو میں "احیاء العلوم" سے ان کو دوبارہ زندہ کر دوں گا۔"(۲)

۴ - حافظ ابن جوزی نے بھی بعض باتوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کی تاثیر اور مقبولیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کا خلاصہ "منہاج القاصدین" کے نام سے لکھا۔(۳)

۵ - علامہ ابن تیمیہ 'الرد علی المنطقیین' میں لکھتے ہیں:

"أول من خلط مناطقهم بأصول المسلمين أبوحامد الغزالي"(٤)

"پہلا شخص جس نے یونانیوں کی منطق کو مسلمانوں کے اصول میں مخلوط کر دیا وہ ابو حامد الغزالی ہیں۔"

۶ - علامہ سبکی فرماتے ہیں:

"غزالی سے بغض رکھنے والا یا تو حاسد ہو گا یا زندیق۔ بے شک ان کا درجہ عالی ان کا لقب حجتہ الاسلام سے بخوبی نمایاں ہے اور ان کی تصنیفات اس لقب کی صداقت پر دلالت کے لیے موجود ہیں۔"(۵)

علامہ سبکی مزید لکھتے ہیں:

"اگر اسلامی لٹریچر میں احیاء العلوم کے علاوہ اور کوئی کتاب بھی موجود نہ ہوتی تو یہ سب کا بدل ہو سکتی تھی۔"(۶)

امام غزالی پہلے شخص ہیں جس نے علمی طور پر تصوف کے فن کو مرتب کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون "مقدمہ" میں لکھتے ہیں:

"امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ چنانچہ ورع اور اقتدار کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور اصلاحات کی تشریح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔"(۷)

---

(۱) الزبیری، شرح الاحیاء، ۱:۳۷

(۲) ابو الحسن ندوی، (س۔ن)، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی۔ ۱: ۱۴۶-۱۴۷

(۳) ابو الحسن ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ۱: ۱۴۷

(۴) ابن تیمیہ، أحمد عبد الحلیم بن تیمیہ الحرانی (س۔ن)، کتاب الرد علی المنطقیین، دار ترجمان السنہ، لاہور۔ ص ۲۳

(۵) سبکی، تاج الدین بن علی بن عبد الکافی، (۱۴۱۳ھ)، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، دار النشر ہجر للطباعہ والنشر والتوزیع۔ ۳:۴۲۸

(۶) سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، ۳:۴۲۸

(۷) ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی، (۱۹۸۴ء)، مقدمہ ابن خلدون، دار الجیل، بیروت۔ ص ۵۱۹

۷ - امام سیوطی لکھتے ہیں:

''اس بات میں جمہور کا اتفاق ہے کہ پانچویں صدی کے مجدد بلانزاع امام غزالی ہیں۔''(۱)

سید ابو الحسن علی ندوی اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں لکھتے ہیں:

"ان علمی و عملی کمالات کی حامل طاقتور اور جامع شخصیت کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا۔ ان کی عہد آفریں تصنیفات اور مباحث نے علمی حلقوں میں ایک ذہنی تموج اور فکری حریت پیدا کر دی۔ ان کو نئی غذا اور طاقت پہنچائی۔ اسلام کی جو چند شخصیتیں صدیوں تک عالم اسلام کے دل و دماغ پر اور اس کے علمی و فکری حلقوں پر حاوی رہی ہیں ان میں سے ایک امام غزالی کی شخصیت بھی ہے۔ جن کی اثر آفرینی، علمی پایہ، ان کی تصنیفات کی اہمیت اور تاثیر مخالف اور موافق سب کو تسلیم رہی ہے۔ ان کی تصنیفات ایک بڑے حلقہ میں متداول اور مقبول ہیں اور پڑھنے والوں کو آج بھی متاثر کرتی ہیں۔"(۲)

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

"معقولات اور فلسفہ میں ان کا درجہ ابو نصر فارابی اور بو علی سینا کے برابر شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض علماء نے یونانی حکماء سے بھی کم ہونا تسلیم نہیں کیا۔ امام غزالی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسرار شریعت کو بیان کیا اور ظواہر کو قائم رکھا اور اسی کو درجہ کمال قرار دیا۔"(۳)

امام غزالی کا تجدیدی کام:

امام غزالی نے جو مجددانہ کام انجام دیا اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱- فلسفہ اور باطنیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ اور اسلام کی طرف سے ان کی بنیادوں پر حملہ

۲ - زندگی و معاشرت کا اسلامی و اخلاقی جائزہ اور ان کی تنقید و اصلاح۔

تہافتہ الفلاسفہ نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی اور اس کے ذہنی تقدس کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس تصنیف نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم و غصہ پیدا کر دیا۔(۴)

---

(۱) غزالی کا تصور اخلاق، ۳۶۷۔

(۲) ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۱: ۱۹۴

(۳) سلیمان منصور پوری، (س۔ن)، تاریخ المشاہیر، بیت العلوم، لاہور۔ ص ۸۲- ۸۳

(۴) ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۱: ۱۴۵

علمائے مغرب کہتے ہیں کہ غزالی نے مشرق میں فلسفے کی دھجیاں اڑادیں اور مغرب میں بھی اس کا یہی حشر ہوتا۔ اگر ابن رشد فلسفہ کی حمایت کے لیے نہ کھڑا ہوجاتا۔ ابن رشد کی حمایت نے اس کو سوبرس تک کے لیے پھر زندگی عطا کردی۔ (۱)

امام غزالی کے پیشِ نظر چار قسم کے مکاتب فکر موجود تھے۔ متکلمین، باطنیہ، صوفیہ اور فلاسفہ۔ امام غزالی نے ان چاروں مکاتب اور ان کے افکار کا گہری بصیرت کے ساتھ مطالعہ کیا اور ان کے متعلق مختلف موضوعات پر کتب تصنیف کیں نیز ان کے باطل افکار کارڈ کیا۔ امام ابوالحسن اشعری سے منطقی استدلال کے استعمال سے معتزلہ کے رد پر مشتمل پہلے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جبکہ امام غزالی سے اسلامی الٰہیات کی نشونما کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔امام غزالی نے فلاسفہ کے افکار پر پہلے ''مقاصد الفلاسفہ'' کے نام سے کتاب لکھی اور پھر ان فلاسفہ کی تردید میں ''تہافتہ الفلاسفہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مختلف مسائل کے بارے میں فلسفیوں کے نظریات کا خود انہی کے منطقیانہ اسلوب کے ساتھ بطلان کیا۔

مفکرِ اخلاق کی حیثیت سے امام غزالی کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ امام غزالی نے اخلاقی مسئلے کو خالصتاً اسلامی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ بہترین نمونہ اخلاق کے طور پر آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی پیش کیا جنہیں قرآن میں بھی صاحب خلقِ عظیم قرار دیا گیاہے۔ علاوہ ازیں آپ کے نظریۂ اخلاق میں اسلامی تصوف کا رنگ بھی نمایاں ہے۔امام غزالی نے اخلاقی نصب العین کی وضاحت کی اور ان اوصاف ورزائل کی فہرست پیش کی جنہیں اپنانا یا ترک کرنا اخلاقی کمال کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ بلند ترین اخلاقی نصب العین حبِ الٰہی ہے۔ (۲)

باطنیت کا ردّ:

فلسفہ کے علاوہ امام غزالی نے فتنہ باطنیت کی طرف بھی توجہ کی۔ باطنیوں کی تردید میں خلیفہ وقت کے اشارہ پر تصنیف کی۔ اس کتاب کے علاوہ اس موضوع پر ان کی اور کتابیں بھی موجود ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

1- حجتہ الحق 2- مفصل الخلاف 3- قاسم الباطنیہ 4- فضائح الاباحیہ 5- مواہم الباطنیہ (۳)

---

(۱) لطفی جمعہ ،(۱۹۶۴ء)، تاریخ فلاسفہ الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر میر ولی الدین، مسعود پبلشنگ ہاؤس۔ کراچی

(۲) عبدالخالق، ڈاکٹر، (۱۹۸۱ء)، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز، لاہور۔ ص۱۹۵- ۱۹۷۔

(۳) ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ۱: ۱۴۶،۱۴۵۔

احیائے تصوف میں آپ کا کردار:

امام غزالی کے نزدیک صوفیہ ہی درحقیقت حق کے راستے پر ہیں۔ ان کی سیرت سب سے اچھی، ان کا اخلاق سب سے اعلیٰ اور ان کا طریقہ سب سے عمدہ ہے۔ صوفیہ کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکاۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور نبوت محمدی کے علاوہ روئے زمین پر کوئی ایسا نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔

امام غزالی نے سالک طریقت کے لیے علم شرعی کو ضروری قرار دیا۔ متعدد مقامات پر ان الفاظ کے ذریعے حصول علم کی تاکید فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

''إن السعادة لا تنال إلا بالعلم والعمل''

''سعادت کا حصول علم و عمل کے بغیر ممکن نہیں۔''

امام غزالی صوفیہ کے اس گروہ کے مخالف تھے جو اپنی شہوات کو شریعت، اپنے جھوٹے اوہام کو علم الٰہی، نفسانی خواہشات کو حب الٰہی اور شریعت مصطفی کی عدم پیروی کو جذب و مستی تصوف کہتے ہیں۔ امام غزالی نے جابجا ایسے صوفیہ سے بیزاری اور سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔

اصلاح تصوف میں امام غزالی کی خدمات کا اعتراف متقدمین و معاصرین سبھی نے کیا ہے۔ بلکہ مستشرقین بھی اس میدان میں ان کے کارناموں سے متاثر نظر آتے ہیں۔

۱- امام غزالی کی تصانیف اور ان کے فلسفہ اخلاق نے صرف مسلمانوں پر گہرے نقوش مرتب نہیں کیے بلکہ مغربی مفکرین نے بھی آپ کی کتب سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اآپ کی اکثر کتب کے تراجم بھی لکھے۔ (۱)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے۔ ہر بات جادو کی تاثیر کرتی ہے، ہر نقطہ پر محویّت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی خود امام صاحب اس وقت تاثیر کے نشہ سے سرشار تھے۔''(۲)

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ امام غزالی کی کتاب احیاء علوم الدین کے بارے میں رقمطراز ہیں:

---

(۱) ۱-ساجد رضا مصباحی، الغزالی، ایک تجزیاتی مطالعہ، ۱۷۳

۲-الاحسان، مدیر حسن سعید صفوی، الہٰ آباد: شاہ صفی اکیڈمی ۲۰۱۲ء۔

(۲) شبلی نعمانی، (س۔ن)، الغزالی، اسلامی اکادمی، لاہور۔ ص ۴۵

”امام غزالی صرف ایک بلند پایہ فقیہ، ایک صاحبِ اجتہاد متکلم اور ایک صاحب دل صوفی ہی نہیں ہیں بلکہ اخلاقیات اسلامی اور فلسفہ اخلاق کے ایک نامور مصنف اور ایک دقیق النظر اور نکتہ رس ماہر اخلاق ونفسیات بھی ہیں۔ اخلاق اسلامی اور فلسفہ اخلاق کی کوئی تاریخ ان کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔“(۱)

Miguel Asin نے احیاء العلوم کے بیشتر حصے کا تجزیہ امام غزالی پر لکھی جانے والی اپنی کتابAlgazel میں کیا ہے۔ Miguel Asin نے امام غزالی کی فلسفہ پر کتاب تہافتہ الفلاسفہ کے بعض حصوں کا ترجمہ بھی Algazel میں موجود ہے۔ احیاء العلوم کا مکمل لاطینی زبان میں ترجمہH. Baver نے کیا ہے۔

احیاء العلوم میں قواعد العقائد کے عنوان سے ایک باب شامل ہے اور اب یہ علیحدہ بھی شائع ہوچکی ہے۔ اس کا ایک ملخص ترجمہ H. Baver نے اپنی کتابDie Dogmatik al-Ghazali میں کیا ہے۔

احیاء العلوم کا ایک خلاصہ H.A. Homes نے بھی پیش کیا ہے۔

Asin نے اپنی کتاب Algazel میں امام غزالی کی کتب اقتصاد في الاعتقاد، المضنون به على غير أهله اور أجوبة الغزالية فى مسائل الأخروية کا ترجمہ بھی موجود ہے۔

امام غزالی کی کتاب ”أيها الولد“ کا ترجمہ اصل عربی متن کے ساتھ Von Hammerنے کیا ہے۔

مقاصد الفلاسفہ:

امام غزالی کے دور میں فلسفیانہ مسائل کا بہت عروج تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ یونانی فلسفے کا رد کرنے کے لیے سب سے پہلے یونانی فلسفے کو بڑی تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا۔ آپ نے اپنی کتاب میں یونانی فلسفے کے مسائل نہایت ترتیب اور عمدگی کے ساتھ مرتب کیے۔ اسلامی تاریخ میں امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے یونانی فلسفے کا تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ مقاصد الفلاسفہ میں آپ نے آسان پیرائے میں منطق، الٰہیات اور طبیعاتی مسائل کا خلاصہ پیش کیا اور پوری غیر جانبداری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات اور مباحث کو بڑی تفصیل کے ساتھ مدون کیا۔

اس کتاب میں امام غزالی نے یونانی فلسفہ کے مسائل کا رد کیا۔ فلسفہ پر دلیرانہ تنقید اور کسی حد تک تحقیر علم کلام کی تاریخ میں امام غزالی نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ تہافتہ الفلاسفہ نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی اور اس کی عظمت، ذہنی تقدس کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کتاب کی تصنیف نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم و غصہ پیدا کر دیا۔ مگر سو برس تک اس کے جواب میں کوئی شایان شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ چھٹی صدی ہجری میں

---

(۱) ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت،۱: ۱۶۸

ابن رشد (۵۹۵ھ) نے ''تہافۃ التہافت'' کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ علماء مغرب کہتے ہیں کہ اگر ابن رشد فلسفہ کی حمایت کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو فلسفہ غزالی کے حملوں سے نیم جان ہو چکا تھا۔ ابن رشد کی حمایت نے اس کو سو برس تک کے لیے پھر زندگی عطا کردی۔[1]

اس کتاب کا اسلامی ممالک میں پتا نہیں چلتا لیکن سپین کے شاہی کتب خانے میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

یورپ میں اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ یہ ترجمہ فرانس کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ بارہویں صدی میں اس کتاب کا لاطینی زبان میں ڈومینگ گوندی سالیموز (Domikdue Guandi Salvip) نے کیا۔ یہ ترجمہ ۱۵۰۶ء میں وینس کے مقام سے شائع ہوا۔

المنقذ من الضلال:

امام غزالی نے حق کی تلاش کے لیے فلسفہ، علم الکلام اور اہل باطن کا لٹریچر پڑا لیکن دل کو سکون نہ ملا۔ بالآخر وہ صوفیاء کی طرف متوجہ ہوئے۔ صوفیاء کے رستے پر چل کر انہوں نے اپنے مقصود کو حاصل کرلیا۔ آپ نے اس روحانی سفر کو اپنی کتاب ''المنقذ من الضلال'' میں قلمبند کیا۔ اسطرح آپ نے ان لوگوں کی راہ کو روشن کردیا جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں اور جو ظاہری علوم کو انسانی فکر وادراک کو منتہا کا نظریہ نہیں گردانتے۔ اس کتاب میں انہوں نے بیان کیا کہ صرف عقل کے ذریعے انسان حق کا سراغ نہیں پاسکتا۔

زندگی میں ایسے حقائق موجود ہیں جن کا ادراک صرف انسانی وجدان اور صوفیانہ ذوق ہی کرسکتا ہے۔ امام غزالی کے نزدیک صوفیانہ ذوق کی جولان گاہ ایسا مقام ہوتا ہے جہاں پر عقل کی رسائی نہیں۔ امام غزالی نے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں فلسفیوں اور اہل کلام کی کمزوریوں کی نشاندہی کی۔ وسعت مطالعہ، بصیرت اور ذاتی تجربے کی وجہ سے اپنے خیالات اور جذبات کو بیان کرنے میں انتہائی کامیاب رہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ہمیں امام غزالی کی فکری، روحانی اور قلبی زندگی کی داستان ملتی ہے۔

فرانس میں اس کتاب کا ترجمہ عربی متن کے ساتھ شائع کیا گیا۔ موسیو پالیا(M. Pullia) اور موسیو شمولڈرز (M. Shmoblders) نے اپنے اس مضمون میں جو فلسفہ عرب پر ہے اس کے مشکل مقامات کی تشریح کی ہے۔

---

(۱) لطفی جمعہ، محمد، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص:۲۷

تہافۃ الفلاسفۃ:

اس کتاب میں امام غزالی نے یونانی فلسفہ کا رد کیا۔ آپ کی اس کتاب نے فلاسفہ کے افکار پر کاری ضرب لگائی۔ اس کتاب کی تصنیف نے فلاسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم وغصہ پیدا کر دیا مگر سو برس تک اس کے جواب میں کوئی شایان شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ M. Sohnudelrs اور موسیو مونک M.Munk نے اس کتاب کے مضامین پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

عیسائیوں کی طرح یہودی بھی امام غزالی کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خاص طور پر امام غزالی کے فلسفہ اخلاق کی تعلیمات جو ایک سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کو وہ یہودیت کے بہت قریب اور مشابہ سمجھتے ہیں اور آپ کی کتب کو خاص طور پر یہودیوں نے بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ یہودی علماء نے آپ کی تعلیمات پر مباحثے بھی کیے ہیں اور تحقیقات بھی کی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف آپ کے فلسفہ کی تعلیمات کو بغور پڑھا ہے بلکہ تصوف کی تعلیمات کو بھی بڑی قریب سے دیکھا ہے۔ یہ کام آپ کی وفات کے ایک صدی بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ مارگریٹ سمتھ نے امام غزالی پر لکھی جانے والی کتاب میں امام غزالی کے فلسفہ روحانیت اور یہودیت کے فلسفہ روحانیت میں تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبالہ کے دس نکات میں امام غزالی کی کتاب "المعارف العقلیہ" میں موجود ہیں۔ قبالہ ہی میں عالم روحانیت کے بیان کردہ تین مقامات عالم ناسوت، عالم عُلوی کا استخراج امام غزالی کے بیان کردہ صوفیاء کے سفر عروج کے تین مقامات: عالم ملکوت ۲- عالم جبروت ۳- عالم شہادت سے کیا گیا ہے۔(۱)

یہودی عالم Barthebraeus نے اس تصور کو بڑی قریب سے دیکھا ہے اور اس نے امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم الدین کے حوالے جابجا دیے ہیں۔ یہودی علماء نے امام غزالی کی کتاب میزان العمل، کیمیائے سعادت اور رسالہ "اللدنیہ" کے حوالے بھی جابجا استعمال کیے ہیں اور ان کتب کا انہوں نے اپنی زبانوں میں تراجم بھی کیے ہیں۔ مارگریٹ سمتھ لکھتی ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائی یورپین مبلغین نے جب پہلی مرتبہ مسلمانوں کے لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا تو سب سے پہلے وہ امام غزالی کی کتب سے متاثر ہوئے اور عیسائی مفکرین نے خاص طور پر امام غزالی کے افکار سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔"(۲)

(1) Margaret Smith, Al-Ghazali, Kazi Publications, Lahore. P.217
(2) ibid

میزان العمل کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ایک یہودی عالم ابراہیم حصرانی نے کیا۔ موسیو ولڈن تحصال نے لپزگ میں ۱۸۳۹ء میں شائع کیا۔ احیاء العلوم کے مشکل مقامات پر موسیو ہیتزگ(M. Hitzig) نے حاشیے لکھے۔[۱]

التفرقہ بین الاسلام والزندقۃ کا ترجمہ Barbier de Maynardنے کیا ہے۔

امام غزالی کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی فکر میں ڈیکارٹ سے لے کر برگسان تک تمام مغربی فلسفے کے اہم خدوخال کی پیش بینی پائی جاتی ہے۔

۱ - ڈیکارٹ(Descartes)پر اثرات

امام غزالی اور فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (م:۱۹۵۶ء) کے طریقہ ہائے کار کے مابین حیرت ناک حد تک مشابہت موجود ہے۔ دونوں تشکیک کی رو سے بدیہی اصولوں کی دریافت تک پہنچے۔ دونوں کی بنیادی خواہش یہ تھی کہ وہ کسی ایسی مستحکم اساس پر اپنے نظامِ فکر کو استوار کریں جس میں شک وشبہ کی گنجائش موجود نہ ہو۔ بعض ناقدین نے ان دونوں کی مماثلت پر تحقیقی مباحث پیش کیے ہیں اور ان حوالوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ڈیکارٹ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر غزالی کے افکار سے متاثر ہونے کا ثبوت میسر آتا ہے۔ طریقۂ کار کے موضوع پر دونوں مفکرین کے کتابوں کے اسلوب تک میں خاصی یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔[۲] کانٹ جو غزالی کے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس نے زمان و مکان کے مسئلہ کے بارے مین وہ سب کچھ لے لیا جو اس سلسلے میں غزالی نے لکھا تھا۔[۳]

۲ - پسکال (Pascal) پر اثرات:

پسکال (م:۱۶۲۳ء) کو امام غزالی سے جو چیز قریب تر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ پسکال بھی امام غزالی کی طرح طبیعت و فطرتِ انسانی کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جس طرح امام غزالی نے حق کی تلاش کے لیے عقل کی بجائے وجدان کو زیادہ موزوں قرار دیا ہے اس طرح پسکال نے بھی عقل کی مخالفت کی ہے۔ اس نے کہا عقل کے راستے سے کوئی شخص دین کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس تک پہنچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ دل کا شعور و وجدان اور اللہ کی ہدایت ورہنمائی ہے۔ کبھی عقل بھی کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے مذہب کی دیوار کے سائے میں لا کھڑا کرے۔ لیکن

---

(۱) شبلی نعمانی، الغزالی، ۵۶-۵۷

(۲) عبدالخالق، ڈاکٹر، (۱۹۸۱ء)، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز، لاہور۔ ص ۱۷۹

(۳) نصیر الدین خان، فلسفۂ سائنس اور ایمان، ص ۳۲۸، فکر و نظر، مدیر: رشید احمد جالندھری، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، جنوری ۱۹۷۷ء

اس قسم کا مذہب نجات اخروی کے باب میں مفید و سود مند نہیں۔پسکال بھی امام غزالی کی طرح طبیعت و فطرت انسانی کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔(۱)

۳- ہوبز(Hobbes) پر اثرات

ہوبز ایک مغربی مفکر ہے جس کے افکار امام غزالی سے کافی حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔عام طبیعت انسانی کا نقطہ نگاہ متعین کرنے میں امام غزالی اور ہوبز دونوں متفق ہیں کیونکہ جہاں ہوبز(۱۵۸۸ء) کی رائے ہے کہ انسان کے جمیع اعمال خودغرضی کا مظہر ہیں اور ہمسایے سے ہمدردی و مروت کا سلوک بھی حقیقت میں حبِ نفس ہی کی ایک قسم اور اخلاقی قوانین کی اطاعت بھی فی الواقع نفس ہی کو نفع پہنچانے کا ایک حیلہ و بہانہ ہیں۔وہاں غزالی بھی اکثر صلح پر دباؤ سمت کی تہمت لگانے اور حب ذات ہی کا انہیں طعنہ دیتے ہیں۔(۲)

احیاءالعلوم کے بارے میں جارج ہنری لیوس(Jorge Henry Luis) نے اپنی کتاب (History of Philosophy)میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "اس کتاب میں ڈیکارٹ کی (Discourse over law Method) کے ساتھ ایسی عجیب و غریب مشابہت پائی جاتی ہے کہ اگر ڈیکارٹ کے زمانے میں اس کا کوئی ترجمہ موجود ہوتا تو ہر شخص یہ کہہ اُٹھتا کہ ڈیکارٹ نے امام غزالی سے سرقہ کیا ہے۔(۳)

لیوس یہ بھول جاتا ہے کہ ڈیکارٹ کے عہد سے کہیں پہلے عرب فلسفہ مغرب کے رَگ و ریشے میں سرایت کرچکا تھا اور نصف بارہویں صدی سے قبل امام غزالی کی اکثر کتابوں کے لاطینی زبانوں میں جزوی تراجم ہوچکے تھے جو عیسائیوں اور یہودیوں کے علم الکلام پر خاصا اثر ڈال رہے تھے۔ڈیکارٹ سے پہلے یہوداہل لیوی (۱۱۴۷ء) کی کتاب 'کوسری" میں امام غزالی کی ارتبائیت راہ پاچکی تھی اور اس کے نقوش کریس کاس (۱۴۱۰ء) پر مرتسم ہوچکے تھے۔

ڈومنیکائی ریمانڈ مارٹینی امام غزالی کی کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" کے عبرانی ترجمے کو بڑی آزادی کے ساتھ استعمال کرچکا تھا۔سینٹ تھامس(St. Thomos) جنہوں نے جامع نیپلز میں ڈومنیکائی طریق پر تعلیم پائی تھی وہ بھی امام غزالی کے فلسفے سے بخوبی واقف تھے۔چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "سما" میں ارسطاطالیت پر جو جملے کہے ہیں ان میں انہوں نے امام غزالی ہی کے دلائل سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

---

(۱) زکی عبدالسلام،(۱۹۵۶ء)،غزالی کا تصور اخلاق،ترجمہ:نورالحسن خان،مکتبہ علمیہ،لاہور۔ص ۴۱۰

(۲) زکی عبدالسلام،غزالی کا تصور اخلاق،ص ۴۱۴

(3) Henry, Lewes Jorge, (2013), The History of Philosophy, Ancient Philosophy, Kartindo Publishing House. Vol: 2, Page: 50

واجب الوجود کے تصور سے اللہ تعالیٰ کی سلبی اور ایجابی صفات کا استنباط کرنے میں ڈیکارٹ اور اسپی نوزا دونوں امام غزالی کی تقلید کرتے ہیں۔ مزید بر آن ڈیکارٹ، اسپی لوزا اور گلیلیو نے نہایت اور لا محدود میں جو تفریق کی ہے وہ بالکل وہی ہے جو امام غزالی اور ابن سینا نے کی ہے اور ان کی تقلید میں کریس کاس اور برونو نے اپنے افکار کی سمت تعین کی ہے۔

اسپی نوزا کا تصور جو ہر بیعنہ وہی ہے جو امام غزالی اللہ کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی بسیط۔ مزید بر آں اسپی نوزا (Spinoza) (۱۶۳۲ء) کا نظریۂ اختیار امام غزالی کے نظریہ سے اسپی نوزا کا نظریۂ امام غزالی کے نظریہ مکان سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسپی نوزا نے صور تخیل کی جو تصریحات پیش کی ہیں وہ کم و بیش ماسک و مرکب کی اس باہمی تفریق کے مطابق ہیں۔ جو ابن میمون نے امام غزالی کی تقلید میں پیش کی ہے۔ ان تمام معاملات میں فرق محض اصطلاحات کا ہے۔ امام غزالی نے مشرق و مغرب دونوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔[۱]

خلاصہ کلام:

امام غزالی اپنے زمانے کے نہ صرف صوفی تھے بلکہ مجدد وقت بھی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں تمام علوم میں پائی جانے والی خرابیوں کا قلع قمع کیا۔ امام غزالی بیک وقت صوفی بھی ہیں اور فلسفی بھی۔ انہوں نے تصوف اور فلسفہ کا باہم ایسا کیمیاوی امتزاج کیا ہے کہ ان کے مکتب میں تصوف کو فلسفہ سے دور فلسفہ کو تصوف سے جدا اور ممیز کرنا انتہائی مشکل امر ہے۔ امام غزالی کے افکار سے نہ صرف مسلمان علماء و مفکرین متاثر ہوئے اور ان کی گرانقدر تصانیف سے استفادہ کیا۔ بلکہ علماء یورپ عیسائی دور یہودی مفکرین بھی آپ کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ کی تکب کے بیشتر تراجم اور شروحات دوسری زبانوں میں ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر زویمر نے جن چار شخصیتوں کو اسلام کی اہم ترین شخصیتیں قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک غزالی بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں: "جو شخص تاریخ اسلام کا مطالعہ کرے گا اس کی چار اہم ترین شخصیتوں سے ملاقات ناگزیر ہے۔ مسلمانوں کے نبی حضرت محمد ﷺ، امام بخاری، امام اشعری اور امام غزالی۔"

☆☆☆☆☆

(۱) شریف، میاں محمد، (۲۰۰۶ء)، مسلمانوں کے افکار، مجلس ترقی ادب، لاہور۔ ص ۹۴-۹۷

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم

۲. ابن تیمیہ، أحمد عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی (س۔ن)، کتاب الرد علی المنطقیین، دار ترجمان السنہ، لاہور

۳. ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی، (۱۹۸۴ء)، مقدمہ ابن خلدون، دار الجیل، بیروت

۴. زکی عبد السلام، (۱۹۵۶ء)، غزالی کا تصور اخلاق، ترجمہ: نور الحسن خان، مکتبہ علمیہ، لاہور

۵. سبکی، تاج الدین بن علی بن عبد الکافی، (۱۴۱۳ھ)، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، دار النشر ہجر للطباعہ والنشر والتوزیع

۶. شریف، میاں محمد، (۲۰۰۶ء)، مسلمانوں کے افکار، مجلس ترقی ادب، لاہور

۷. ساجد رضا مصباحی، الغزالی، ایک تجزیاتی مطالعہ۔

۸. سلیمان منصور پوری، (س۔ن)، تاریخ المشاہیر، بیت العلوم، لاہور

۹. شبلی نعمانی، (س۔ن)، الغزالی، اسلامی اکادمی، لاہور۔

۱۰. عبد الخالق، ڈاکٹر، (۱۹۸۱ء)، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز، لاہور

۱۱. مدیر حسن سعید صفوی، الہٰ آباد، مجلہ: الاحسان، شاہ صفی اکیڈمی ۲۰۱۲ء

۱۲. لطفی جمعہ، (۱۹۶۴ء)، تاریخ فلاسفہ الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر میر ولی الدین، مسعود پبلشنگ ہاؤس۔ کراچی

۱۳. ندوی، ابو الحسن، (س۔ن)، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

۱۴. نصیر الدین خان، فلسفۂ سائنس اور ایمان، فکر و نظر، مدیر: رشید احمد جالندھری، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، جنوری ۱۹۷۷ء

15. Henry, Lewes Jorge, (2013), The History of Philosophy, Ancient Philosophy, Kartindo Publishing House.

16. Margaret Smith, Al-Ghazali, Kazi Publications, Lahore

أولويات الإنفاق اللازم في النظام الاقتصادي الإسلامي

Priorities/objectives for necessary spending in the Islamic economic system

☆ الدكتور منظور أحمد الأزهري

☆☆ الدكتور علي أكبر الأزهري

ABSTRACT

Priorities of Essential Expenditure in Islamic Economic System, The Islamic Shariah has places things, very wisely, at their original status.The divine guidance has covered all aspects of life.Man can get proper instruction in his daily life also.He begins his day with a work to earn livelihood. Allah جل جلاله orders him to earn Halal (Lawful). When he comes to spend his earnings Islam guides him also to rationalize his expenditure keeping in mind its priorities.This article provides such guidelines about our needs, necessities and luxuries in a sequence of rationale.

Keywords: Priorities, expenditure, needs,necessities and luxuries

التمهيد:

قد قامت الشريعة الإسلامية بوضع الأشياء في محلّها، فلا يوجد الخلل في أيّ موازين القسط من صغار الأمور إلى كبارها، بل وضع كلّ شيء في موضعه بالقسطاس المستقيم، كما قال تعالى:

﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَO أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِO وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَO﴾(١).

☆ الأستاذ المشارك، بالقسم العلوم الإسلامية، جامعة هائي تيك، تيكسلا.

☆☆ الأستاذ المشارك، بالقسم العلوم الإسلامية، جامعة جيريزن، لاهور

(١) سورة الرحمن، ٧-٩.

ومن توجيهات الشريعة الغرّاء في حياتنا اليومية أن يكون كسبنا حلالا وإنفاقنا قصدا سليما والإنفاق السليم هو الذي يكون في الأشياء حسب الأولوية والترجيح، وقد بين فقهاء الإسلام أن التكاليف الشرعية ترجع إلى حفظ مقاصدها في الخلق وهذه المقاصد لا تعدو ثلاثه أقسام أي أن المقاصد الشرعية التي يتناولها الإنفاق ثلاثة أمور:

أحدهما: أن تكون ضرورية

والثاني: أن تكون حاجية

والثالث: أن تكون تحسينية(٢).

وستناول هذه المباحث الثلاثة في مطالب تالية:

المطلب الأول: الضروريات:

المطلب الثاني: الحاجيات

المطلب الثالث: التحسينات. وبالله التوفيق.

المطلب الأول: الضروريات:

وهي التي لا بدّ منها في قيام مصالح الدين والدنيا ويترتب على إشباعها وتحقيقها حصول المقاصد الشرعية وبدون تحقيقها لا تستقيم أمور الأمة الإسلامية بل تختل الأمور الدنيوية وتفوت النجاة والنعيم في الآخرة، ويحصرها العلماء في خمس:وهي ضرورة حفظ النفس وضرورة المال، وضرورة حفظ النسل أو العرض(٣).

ويتم إشباع هذه الضروريات الخمس ضمن أربعة مجالات: هي العبادات، والعادات والمعاملات، والجنايات، ويجب أن يستهدف بإشباع هذه الضروريات القيام بأركان تلك المجالات وتثبيت قواعدها ودرء الخلل الواقع أو المتوقع فيها.

(٢)شاطبي، أبو أسحاق إبراهيم بن موسى الخميمى الغرناطي، (دون السنة)، الموافقات، تعليق: الشيخ عبد الله دراز، دار المعرفة، بيروت، لبنان.ج ٢، ص ٣٢٤

(٣) شاطبي، الموافقات، ج ٢، ص ٣٢٦.

فأصول العبادات راجعه إلى حفظ الدين(٤) ويتناول هذا المجال الإنفاق على حفظ العقيدة وإقامة الشعائر والتكاليف الشرعية مثل الصلاة والصيام والزكاة والحج وما أشبه ذلك.

وضرورة حفظ النفس تشمل العادات والمعاملات فالإنفاق على ما يحفظ أود الحياة ويضمن سلامتها من مأكل ومشرب ومسكن وملبس بالقدر الضروري واجب شرعًا ومطلوب عقلاً وله الأولوية على غيره وحتى إذا قتل الرجل دون نفسه فهو شهيد(٥).

وأما حفظ العقل فمجالها أيضًا العادات والمغاملات ويتناول الإنفاق على كلّ ما يصون العقل ويحفظه كإنفاق توفير المأوى والمأكل والملبس والعلاج وغير ذلك.

وضرورة حفظ المال تتضمن الإنفاق على كل ما يحفظه ويمنعه ويدخل فيه كل المعاملات المالية والاستفادة الصحيحة من المال وتشغيله في تنمية المجتمع و رخائه.

وبالنسبة لضرورة حفظ النسل أو العرض فهي تدخل تحت المعاملات المتعلقة بصيانة العرض من كل سوء ومكروه والإنفاق عليه يكون بالقدر الضروري لحفظه وأمنه من كل جانب.

وهذه الضروريات الخمسة تشترك معا في باب الجنايات أيضًا حيث يتناول الإنفاق على كل ما يصلحها ويحفظها بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر و زجر المفسد وتوبيخ المجرم بالعقوبات الثابتة في الشريعة الإسلامية لتوفير الأمن والاستقرار في المجتمع الإنساني.

وقد تكفل الإسلام بضروريات الفقراء والمحتاجين واليتامى وجعل الإنفاق عليهم بمثابة عبادة بل جهاد في سبيل الله ويبدأ من الأقرب فالأقرب، ويقول الله تعالى:

﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا

---

(٤) الموافقات، ٣٢٥/٢.

(٥) هيثمي، الحافظ نور الدين، (١٩٩٢م)، مسند الحارث، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية، المدينة المنورة. ٦٦٠/٢، رقم: ٦٣٦

لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(٦).

وفي موضع آخر:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾(٧)

وقال تعالى: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾(٨).

وكلمة الحق في الآية الكريمة تدل على وجوب الإنفاق على الأقرباء الفقراء.

وإذا قضى الإنسان المؤمن ضرورته بدأ بقضاء حاجة أخيه المؤمن لأنه يعيش حياة نظامية مرتبطة فلا يترك أخاه جائعا وهو شبعان ولا يشرع بتوفير الكماليات والحاجات الشخصية قبل أن يطمئن على ضروريات أخيه الأساسية.

والإنفاق الواجب له قواعده وضوابطه في الفقه الإسلامي نبيّنها بالإيجاز فيما يلي:

''الإنفاق أو النفقة: هو الإخراج لغة وجعمها نفقات وفي الاصطلاح الشرعي هي كفاية من يمونه من الطعام والكسوة والسكني''(٩).

وتجب النفقة على الإنسان لأسباب ثلاثة: الزوجية، والقرابة، والملك.(١٠)

''نفقة الزوجية: وهي سبعة أشياء الطعام والإدام والكسوة وآلة التنظيف ومتاع البيت والسكنى وخادم إن كانت الزوجة ممن تخدم في بيت والديها''(١١).

---

(٦) سورة المزمل ، ٢٠.

(٧) سورة النحل، ٩٠.

(٨) سورة الإسراء، ٦٢.

(٩) حصكفي، محمد بن علي بن محمد، (٢٠٠٢م)، الدر المختار، دار الكتب العلمية، بيروت. ٨٨٦/٢.

(١٠) حصكفي، الدر المختار، ٨٨٦/٢.

(١١) شربيني، شمس الدين محمد بن خطيب، (١٩٩٧م)، مغني المحتاج، دار المعرفة، بيروت. ٤٢٦/٣.

تقدير النفقة:

١ – الطعام:

لم يقدر الإسلام لهذه النفقة حدًّا معلومًا بل تراعى قدرة المنفق وحاجة المنفق عليه لأن الناس تختلف حاجاتهم باختلاف المكان والزمان والحال،وهذا من كمال حكمة الشريعة الإسلامية، يقول لله تعالى:

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾(١٢).

ويقول تعالى:

﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾(١٣).

وتقدر نفقة الطعام بحسب الأعراف والعادات في كل بلد من حيث الرخص والغلاء والصيف والشتاء والشباب والهرم.

والكفاية في هذه النفقة هي مطلوبة لقول النبيﷺلهند بنت عتبة زوجة أبي سفيان قالت: يارسول الله ﷺ:

''إنّ أبا سفيان رجل شحيح ليس يعطيني ما يكفيني وولدي إلاّ ما أخذت منه وهو لا يعلم فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف''(١٤).

والشاهد أن الرسول ﷺ أمر هند بأن تأخذ من مال زوجها ما يكفيها من غير تقدير إنّما باجتهادها في هذا التقدير فتقدر بالكفاف.

يجب للزوجة الطعام والشراب والإدام عند الفقهاء(١٥)، وكذلك ما يتبع الطعام من ماء وخلٍ وزيت ودهن للأكل وحطب ووقود ولا تجب الفواكه.

---

(١٢) سورة الطلاق، ٧.

(١٣) سورة البقرة، ٢٣٦.

(١٤)بخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، بيروت. ٧٦٩/٢

(١٥) البدائع، ٢٣/٤-٢٥، بداية المجتهد، ٥٤/٢، المغني، ٥٦٤/١١، ٥٦٧، مغني المحتاج، ٤٢٦/٣.

١ – تسليم النفقة:

١ – رأي الحنفية والمالكية: ويجب في النفقة تسليم الطعام يوميًا، أسبوعيًا، شهريًا، أوسنويًا. بحسب ما يناسب الزوج في الدفع ويجوز دفع الثمن أو النقود عنه لتنفق الزوجة على نفسها(١٦).

فمثلًا تقدر نفقة العامل باليوم والموظف بالشهر والغني صاحب الثروة بالسنة، فتدفع النفقة مساءً كل يوم لليوم التالي أو في نهاية الأسبوع أو تدفع في بداية الشهر أونهايته بحسب قبض الرواتب الوظيفية.

٢ – الشافعية والحنابلة قالوا: تدفع النفقة بطلوع شمس كلّ يوم لأنّه أوّل وقت الحاجة(١٧) والحاصل أن الزوجين لهما الخيار في تحديد الدفع من حيث التأجيل والتعجيل.

٢ – الكسوة:

يجب على الزوج كسوة الزوجة لأنّها من الضروريات الأساسية وقد أمر لله تعالى بها في كتابه الحكيم:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(١٨).

وقال النبي ﷺ في خطبة حجة الوداع:

''ولهنّ عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف''

والكسوة مقدرة بكفاية الزوجة وبتقدير الحاكم فيفرض لها على قدر كفايتها على قدر يسر الزوجين وعسرهما فللموسرة ثياب راقية من حرير وأمثاله وللمعسرة ثياب غليظة وهكذا.

وأقل ما يجب منها قميص وسروال وخمار أو مقنعة وحذاء ويجب لها الكسوة مرتين في كل سنة، شتوية وصيفية حسيب تغير المواسم، وعند الحنفية والشافعية تدفع الكسوة في كل ستة أشهر لأن الناس تعودوا على تبديل الكسوة غالبا في هذه المدة.

---

(١٦)حصكفي، الدر المختار،٢ /٨٩٤، الشرح الصغير، ٧٣٨/٢، المغني، ٥٦٤/١١-٥٦٧.

(١٧) مغني المحتاج، ٤٢٦/٣ وما بعدها، المغني، ٥٦٤/٧ ومابعدها.

(١٨) سورة البقرة، ٢: ٢٣٣.

وتدفع الكسوة عند المالكية أوّل كلّ عام متملك بالقبض ولا بدل لما سرق أو سرق أو بلي (١٩).

٣ – المسكن:

يجب المسكن اللائق بالزوجة ملكا كان أو كراء ، أو إعارة، أو وقفا وهذا المسكن مأمور به من الله تعالى في قوله سبحانه: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ﴾(٢٠).

وقوله سبحانه: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(٢١).

والمعاشره بالمعروف لا تكون إلا إذا كانت الزوجة آمنة مطمئنة في بيت الزوج مستترة عن عيون الناس ويكون المسكن أيضا حسب حال الزوجين من اليسر والعسر لقوله تعالى: ﴿مِنْ وُجْدِكُمْ﴾ أي: من سعتكم وقدرتكم المالية حسب حالة اليسر والعسر.

أوصاف المسكن:

قرر الفقهاء الكرام بعض الأوصاف التي لابد من توافرها في مسكن الزوجة منها:

١ – أن يكون مناسبًا لحال الزوجين كما جاء في الآية السابقة ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ﴾ (٢٢).

٢ – أن يتوافر فيه اللازم من أثاث وفراش عند عامة الفقهاء(٢٣).

وعند المالكية لا يكلف الزوج بتأثيث المنزل بل المكلف هو الزوجة واتفقوا على أن يتوفر بالمسكن المرافق الضرورية من دورة مياه ومطبخ ونور وغير ذلك.

---

(١٩) البدائع، ٢٣/٤ وما بعدها، مغني المحتاج، ٤٢٩/٣، ٤٣٣.

(٢٠) سورة الطلاق، ٦.

(٢١) سورة النساء، ٤: ١٩.

(٢٢) سورة الطلاق، ٦.

(٢٣) البدائع، ٢٤/٤، فتح القدير، ٣٦٧/٣.

٣ – أن يكون المسكن مستقلاً بالزوجة ليس للزوج أن يشرك غيرها فيه إلا إذا رضيت لأنّ معاشرة زوجها والاستمتاع لا يتم إلا بذلك فمن حقها أن تمنع غيرها من السكن معها في بيت واحد.

والحد الأدنى للسكن حجرة واحدة مستقلة بمرافقها بشرط أن لا تكون زوجة ثانية في نفس المنزل (الدور) لأنّ سكنها مع شريكتها يسيئ إليها.

وقال الحنفية: إن الزوجة ليس لها أن تسكن معها أحداً غير زوجها إلا بالإذن منه، ولو كان صبيًّا صغيرًا وإذا كان للمسكن في مكان منقطع موحش أو كانت الدار واسعة عالية الجدران فيلزم الزوج أن يأتي بما تسأنس به زوجته.

والراجح أن تلاحظ حالة الزوج المالية ويعمل حسب الاتفاق بين الزوجين.

٤ – أن يتوفر بالبيت آلات الطبخ والتنظيف مثل آلة طحن وخبز وأواني الشرب ككوز وجرة وقدر ومعرفة وما تنظف به وتزيل الوسخ كمشط وصابون وسدر ودهن وينقل لها ماء الغسل من الجنابة وكذلك الماء للوضوء.

١ – عند الحنفية(٢٤): تجب أدوات البيت مثل حصير، وسرير، وبساط صوف والغطاء والوطاء في التشاء والصيف حسب الضرروة وأما أجرة القابلة فعلى من استأجرها وقيل على الزوج نظير مؤنة الجماع وقيل على الزوجة مثل أجرة الطبيب. ويجب الطيب لها لإزالة الرائحة الكريهة بعد الحيض والنفاس ولا تجب الفواكه على الزوج.

٢ – عند المالكية: تجب آلة التنظيف على حسب الحال ويفرض لها ماء الشرب والغسل، وغسل الثوب والإناء والوضوء والوقود من الطيب وزيت الأكل والأدهان وما يتعلق بالطعام مثل البصل، والملح واللحم في كل أسبوع مرة من غيرالفقيرلا كل يوم، والفقير يوفر على حسب الظروف وأجرة القابلة تجب على الزوج من حيث إنها من متعلقات الولد والولد للفراش.

---

(٢٤) حصكفي، الدر المختار، ٨٩٣/٢، الشرح الصغير، ٧٣٣/٢ وما بعدها، المهذب،١٦١/٢، المغني، ٥٦٧/٧.

٣ – عند الشافعية: يجب آلة تنظيف كمشط ودهن وما تكنس به الدار وما تغسل به الرأس والبدن وثمن ماء غسل جماع ونفاس، وتوفر لها آلات الأكل والشرب والطبخ ومفروشات النوم من فراش ومخدة ولحاف ويلزمه الطيب إن كان لقطع السهوكة (وهي الرائحة الكريهة).

٤– وقال الحنابلة: إن الزوج يكلف بإحضار ما تحتاج المرأة إليه من المشط ودهن الرأس وصابون، وثمن ماء شرب ووضوء وغسل من حيض ونفاس وجنابة، وغسل ثياب وكذلك الطيب.

واتفق الفقهاء(٢٥) على أن الزوج يجب عليه نفقة الخادم إن كانت الزوجة ممن تخدم في بيت والديها ولم تخدم هي نفسها.

٤ – الإنفاق على الأقارب والمحتاجين:

يرشد الإسلام إشباع الحاجيات فيأمر المسلم بأن يبدأ بالإنفاق على ضرورياته ثم على ضروريات الآخرين ثم الإنفاق على حاجاته فتحسيناته ليكون المجتمع الإسلامي جمعًا مترابطاً كالبنيان المرصوص.

وهذا الترشيد يقتضي أن يهتم المسلم بأقاربة المحتاجين ويسد حاجاتهم الأساسية قبل أن يصرف المال في ترفيه حياته الشخصية،والقرآن الكريم يصرح بذلك في كثير من الآيات الكريمة مثل قوله تعالى:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾(٢٦).

وقال تعالى:

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾(٢٧)

وقال في مقام آخر:

﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ الله﴾(٢٨).

---

(٢٥) البدائع، ٢٤/٤، بداية المجتهد، ٥٤/٢، ٥٦٩/٧.

(٢٦) سورة النحل، ٩٠.

(٢٧) سورة الإسراء، ٢٦.

(٢٨) سورة الروم: ٣٨.

وفي الحديث النبوي الشريف: ''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه''(٢٩)

وفي حديث آخر ''الرحم معلقة بساق العرش تقول: من وصلني وصله لله ومن قطعني قطعه لله''(٣٠).

وكل هذه النصوص تدل على أهمية حق القرب لقرابة النسب والرحم وما هذا الحق إلا الإنفاق عليه عند حاجته وعجزه.

تجب نفقه الأصول أي الوالدين وإن علوا والفروع من الأولاد عند جمهور الفقهاء(٣١) وذلك بقدر الكفاية.

وأما نفقة الأقارب غيرالأصول والفروع ففيه الخلاف بين الفقهاء الكرام نبينه كالتالي:

١ – **رأي الحنفية (٧)**: أن النفقة تجب لكل ذي رحم محرم من الإخوة والأخوال والأعمام وأبناء الإخوة والعمات والخالات لقوله سبحانه: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ﴾(٣٢).

ولا تجب لغير ذي رحم محرم كابن العم، وبنت العم ولا تجب أيضًا لمحرم غير ذي رحم مثل الأخ من الرضاعة.

٢ – **رأي المالكية والشافعية**: (٣٣) لا تحب الفقة عندهم لغير عمودي النسب (الوالدين والمولودين) لأن الشرع يوجب الفقة لهما فقط دون غيرهم.

٣ – **رأي الحنابلة**: (٣٤) إنّ كل قريب وارث يستحق له النفقة إذا كان يرث بفرض أو تعصيب كالأخ الشقيق أو الأب أو الأم أو العم وابنه ولا تجب لمن لا يرث بفرض ولا تعصيب مثل بنت العم والخال والخالة والعمة ونحوهم لأن قرابتهم ضعيفة.

---

(٢٩) ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي، (دون السنة)، فتح البارى، دار المعرفة، بيروت. ٥٣٢/١٠.

(٣٠) مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري، (دون السنة)، الصحيح، دار إحياء التراث العربي. ١٩٨١/٤، رقم: ٢٥٥٥

(٣١) البدائع، ٣٠/٤، الشرح الصغير، ٧٥٢/٢.

(٣٢) سورة الإسراء: ٢٦.

(٣٣) القوانين الفقهية،٢٢/٣، المهذب، ١٦٦/٢.

والراجح مذهب الحنابلة لأنه أوسع نطاقًا في وجوب النفقة للأقرباء المحتاجين ولأنه يشتمل على التضامن والتكافل الاقتصادي اللازم لتوازن المجتمع في إشباع الضروريات.

وبعد هذه النظرة السريعة على الضروريات ننتقل إلى المرحلة التالية وهي الحاجيات البشرية على وجه العموم.

المطلب الثاني: الحاجيات:

معناها(٣٥): أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدي في الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب، فإذا لم تراع دخل على المكلفين- على الجملة- الحرج والمشقة ولكنه لايبلغ مبلغ الفساد العادي المتوقع في المصالح العامة.

و(الحاجات) جارية في العبادات والعادات والمعاملات والجنايات كما سبق، والمراد من الحاجات في العبادات كالرخص المخففة بالنسبة إلى لحوق المشقة بالمرض والسفر و في العادات كإباحة الصيد والتمتع بالطيبات مما هو حلال مأ كلاً ومشرباً وملبسًا، ومسكنًا، ومركبًا وما أشبه ذلك، وفي المعاملات كالقراض والمساقاة والسلم وإلغاء التوابع في العقد على المتبوعات، كثمرة الشجر ومال العبد، وفي الجنايات كالحكم باللوث والقسامة وضرب الدية على العاقلة وما أشبه ذلك(٣٦).

والحاجات تبقى أقل من الضروريات من ناحية الإشباع أو الإنفاق عليها وليست ضرورية لإقامة مصالح الدين والدنيا ولكنّها ضرورية من حيث إن عدم إشباعها سيؤدي إلى المشقة وتستوجب قوامة إشباع الحاجيات إنفاق المال في وعلى توفير الحاجات شبه الضرورية، والتي من شأنها تقليل أعباء الحياة وواجباتها ورفع الحرج عن الإنسان.

---

(٣٤) ابن قدامة، المغني، ٥٨٥/٧ وما بعدها.

(٣٥) الموافقات،٣٢٦/٢

(٣٦) نفس المرجع السابق، ٣٢٦/٢.

فالحاجيات لها درجة ثانية في مجال إشباع الضروريات فهي من الأمور التي يلاحظ فيها حال المنفق من حيث اليسر والسعة فقوامة ترشيد الحاجات تقتضي الإنفاق الميسر دون تكليف فوق الطاقة كما جاء في قول الله تعالى:

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾(٣٧).

ويقتضى ترشيد الإنفاق على الحاجيات أن يبدأ الفرد بإشباع الضروريات الأساسية ثم الحاجيات إذا كان يستطيع توفير ذلك بدون تكليف نفسه فوق طاقتها، مصداق قوله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾(٣٨)

تحديد إطار الحاجيات:

إنّ البيئة الاجتماعية لها أثرها البارز في نشأة الحاجات وتعددها وغالبا ما تخلق هذه البيئة مشكلة اقتصادية من خلال العادات والتقاليد المسرفة ومعنى ذلك أنه لعلاج هذه المشكلة لابد من علاج العادات والتقاليد فإنّ الدين الإسلامي يمارس مهمة تحديد الحاجات الحقيقة ووضع الإطار الصحيح لها في مواجهة ما قد يكون للعادات من أثر سلبي لها.

وقد ذكر الشيخ ابن الحاج(٣٩) عن شيخه أبي محمد يقول فيه: هذه الضرورات–الحاجات– التي اعتادها الناس رغبة في الإظهار– تقطع من أصلها ولا حاجة تدعوا إليها، و مثال ذلك أن يقول الفقيه: لا بدّ من فوقانية على صفة ولا بد من عمامة على صفة، ولا بد من كتب ولا بد من دابّة، فإذا جاءت الدابة لا بدّ لها من غلا م وكلفة في الغالب، ولا بد لبعضهم من بغلة، وبعضهم يتخذ لغلامه بغلة أيضاً، وقد يحتاج الغلام إلى زوجة، فلا يزال هكذا في ضرورات التي يدعيها، فكان سيدي محمد يقول: (هذه الضرورات تقطع من أصلها فلا ضرورة إلا

(٣٧) سورة الطلاق، ٧.

(٣٨) سورة البقره، ٢: ٢٨٦.

(٣٩) ابن الحاج، المدخل، ١١٨/١.

شرعية، والضرورات الشرعية لا يحتاج فيها في الغالب إلى كلفة، فالحاصل أن هذه التي جاءت لهم إنما حدثت من مخالفة الشرع.

الحاجة إلى الملبس:

إن المقصود من إشباع تلك الحاجة يتمثل في ستر العورة و أخذ التجمل الشرعي وحماية الجسد من الحر والبرد، وقد امتن الله تعالى على عباده مما جعل من اللباس والرياش مقصود شرعي ومطلوب فطري، يقول الله سبحانه:

﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ﴾(٤٠)

وقال تعالى:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾(٤١).

واللباس إن كان بنيّة حفظ النفس من شدة البرد والجو فهو أيضًا من الضروريات الخمسة الأساسية ومطلوب شرعا وهذه الوظائف للباس نص عليها الكتاب والسنة، وقد يكون اللبس واجبًا أو مباحًا أو ممنوعًا لبسه إن كان للرياء والخيلاء.

يقول ابن الحاج:

''فإن اللبس من جهة المباح (أصلاً) فإن أراد– الرجل– أن يرده إلى جهة الوجوب فذلك موجود يلبسه بنيّة ستر العورة، وذلك واجب. ثم لا يخلو الثوب إما أن يكون مما يتزين به أولا، فإن كان كذلك ضم إلى نية الواجب امتثال السنة في إظهار نعم لله تعالى.. وإن كان مما يحتاج إلى ثياب كثيرة لا بد منها يلبسها لأجل حر أو برد فينوي بذلك دفع الحر

---

(٤٠) سورة الأعراف، ٢٦.

(٤١) سورة الأعراف، ٣١.

أو البرد عنه متمثلا في ذلك حكمة لله تعالى وإظهار الحاجة إليه والا ضطرار في لبسه''(٤٢).

وقد حدد علماء الإسلام بدقة بالغة مفهوم الإسراف في كل جوانب الاستهلاك بأنه استهلاك ما لا حاجة إليه، وقد عقد ابن الحاج فصلا في كراهة توسيع الأكمام والأردان وأن شعار العالم العمل لا اللبس- أي الزائد عن الحاجة- وفي ذلك يقول: فتوسيع الثوب وكبره وتوسيع الكم وكبره ليس للرجل حاجة به فيمنع مثل ما زاد على الكعبين سواءً بسواء..... فليس له أن يضع المال إلا حيث أجيز له أن يضعه، إذ إنه يتصرف فيما لا يؤذن له فيه، وما يفعلونه من صفة الاتساع والكبير في الثياب فليس بمشروع إذ إن ذلك ليس به حاجة (٤٣).

الحاجة إلى الطعام:

معلوم أن الطعام من الحوائج الضرورية للإنسان لاستمرار الحياة وقد أباح الله تعالى طيبات المطعم والمشرب فما لذ و طاب من لحم، ولبن وفاكهة، وعسل وغيرها من الحلال، وكل ما يأكله الإنسان من طيبات الرزق ويشكر عليه صاحب النعمة مباح له أكله، يقول الله تعالى:

﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾(٤٤).

والأكل خمس مراتب(٤٥): واجب، ومندوب مباح، ومكروه ومحرم.

والواجب من الأكل ما سد رمق الحياة وما لا يعيش الإنسان إلا به.

والمندوب ما يعينه على تحصيل النوافل وعلى تعلم العلم وغيرذلك من الطاعات.

والمباح الشبع الشرعي.

والمكروه ما زاد على الشبع قليلا ولم يتضرر به.

---

(٤٢) ابن الحاج، محمد بن محمد بن محمد العبدري المالكي، (دون السنة)، المدخل، مكتبة دار التراث، مصر. ٣٣/١.

(٤٣) المدخل، ١٢٥/١.

(٤٤) سورة المائده،٨٨.

(٤٥) ابن الحاج، المدخل، ٢١٢/١.

والمحرم البطنة المسرفة وهي الأكل الكثير المضر للبدن.

وعلى المسلم أن يقصد بطعامه التقوي على الطاعة وأن يستشعر الحاجة والافتقار ويشكر ربه الغفور وقد قال الله تعالى:

﴿كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴾(٤٦)

الحاجة إلى المسكن:

وأيضامن الحوائج اللازمة المسكن المناسب لبقاء حياة الإنسان فيه، وإنما السكن للسكينة وقد امتنّ لله سبحانه به على عباده كما جاء في القرآن كريم: ﴿ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا﴾(٤٧).

ووظيفة المسكن هي الاستتار من عيون الناس، ومن الشمس، والمطر، وكلّ ما يؤذي الإنسان ومن سعادة الإنسان المسكن الواسع والجار الصالح والمركب الهنيئ كما جاء في حديث صحيح، وكان الرسول ﷺ يدعو في وضوئه كثيراً فيقول:

''اللهم اغفرلي ذنبي ووسع لي في داري وبارك لي في رزقي فلما سأله أنس ﷺ: ما أكثر ما يدعو بهذه الدعوات قال: وهل تركت من شيء''(٤٨)؟

ولكن السكن اتساعًا خارقاً لغير ضرورة شرعية وطلاء وزخرفة البيت بالذهب وزينات أخرى لا يسمح ذلك في الشرع الإسلامي حيث إن المسلم لا يجوز له أن يبني بيوتا تفوق حاجته الحقيقة وإلى جانبه أخوه المسلم يحتاج إلى متطلبات السكن الأساسية، وهذه سمة نيرة في وجه الإسلام المشرق لايوجد نظيرها في الشرائع والاقتصاديات الوضعية.

(٤٦) سورة سبأ، ١٥.

(٤٧) سورة النحل،٨٠.

(٤٨) أحمد بن حنبل، (دون السنة)، مؤسسة قرطبة، مصر. ٤/ ٣٩٩، رقم:١٩٥٨٩

فقوامة ترشيد إنفاق الأموال على الأولويات في الحاجيات بالنسبة لأفراد المجتمع الإسلامي تقتضي أن تكون ضرورياتهم واحدة وحاجاتهم واحدة وضرويات الفقير تكون مفضلة على حاجيات الغني، ليكون المجتع في توازن اقتصادى جميل فلا تكون هناك اضطرابات وخصومات بين أفراد أسرة إنسانية واحدة.

المطلب الثالث: التحسينات

١ – المراد منها:

الأخذ بما يليق من محاسن العادات وتجنب الأحوال المدنسات التي تأنفها العقول الراجحات، ويجمع ذلك قسم مكارم الأخلاق(٤٩).

إن التحسينات أو الكماليات جارية فيما جرت فيه الأوليان– الضروريات والحاجات– وهي مجالات أربعة: العبادات، والمعاملات، والجنابات والعادات، أما التحسينات في باب العبادات فهي مثلاً إزالة النجاسة وستر العورة وأخذ الزينة والتقرب بنوافل الخيرات من الصدقات والقربات.

وفي العادات مثلا آداب الأكل والشرب ومجانبة المآكل النجسات والمشارب المستخبثات والإسراف والإقتار في المتناولات. وفي مجال المعاملات كالمنع من بيع النجاسات وفضل الماء والكلأ وسلب المرأة منصب الإمامة مثلاً.

وفي الجنايات منع قتل النساء والصبيان والرهبان وعدم قلع الأشجار، فهذه الأمور راجعة إلى محاسن زائدة على أصل المصالح الضرورية والحاجية، إذ ليس فقدانها بمخل بأمر ضروري ولا حاجيّ وإنما جرت مجرى التحسين والتزيين(٥٠).

إن الكماليات هي التي لا يترتب على إشباعها إقامه مصالح الدين والدنيا بل هي تزيد الحياة بهجة وزينة وتدخل الجمال على الحياة الإنسانية والكماليات من الطيبات المباحة، والنعم والمتع التي خلقها الله ليتمتع بها

---

(٤٩) الموافقات، ٣٢٧/٢.

(٥٠) الموافقات، ٣٢٧/٢.

عباده دون إسراف وتقتير فهي ليست من الضروريات ولاشبهها،ولكن شريعة الإسلام شريعة سمحة كريمة توسع على الناس وتقرهم على التمتع بمباهج الحياة ما لم تتعد الحدود المباحة للاستهلاك، وقد سمح الله تعالى بالتمتع من المزروعات والثمار الذيذة.

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾(٥١).

٢ – زينة الحياة الدنيا:

والله تعالى أمر في قران المجيد بالتمتع من زينة الحياة الدنيا كما جاء في قوله تعالى:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾(٥٢).

وقد امتن لله تعالى بذكر اللباس والتزين به في قوله تعالى:

﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴾(٥٣).

وأكرم لله تعالى الإنسان بتسخير الدواب والبحر والجو له ليركب من مكان إلى مكان من غير مشقة وعناء، فقال تعالى:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ○ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾(٥٤).

---

(٥١) سورة الأنعام: ١٤١.

(٥٢) سورة الأعراف، ٣٢.

(٥٣) سورة الأعراف، ٢٦٠.

وقال تعالى:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾(٥٥).

والأحاديث النبوية كثيرة في هذا الباب منها قوله عليه الصلاة والسلام: إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده(٥٦).

لقد اتضع من هذه النصوص إنّ الإنفاق على الكماليات حلال ولو كان من قبيل الزينة والترفية مادام في حدوده وضمن مستوياته، ويحق للمسلم أن يتمتع بما يناسب مع إمكانياته المالية وظروفه الاجتماعية ومكانته الشخصية، وأما ما زاد عن قدراته الإنفاقية وظروفه المالية فهو إسراف ممنوع له شرعًا فالمسلم مأمور بقضاء الضروريات ثم الحاجيات ثم التحسينات تبعا لأولويات الإنفاق الاستهلاکی في النظام الاقتصادي الإسلامي.

وقد بين الإمام الشاطبي (٥٧) أن المقاصد الضرورية في الشريعة أصل للحاجية والتحسينية وأن اختلال الضروري يلزم منه اختلال ماعداه أى: يختل الحاجي والتحسيني والكن ليس من اللزوم أن يختل الضروري باختلال الحاجي والتحسيني، بل قد يحدث ذلك لفهذا تجب المحافظة على الحاجي والتحسيني للمحافظة على الضروري.

ولهذا نقول: إن القدر الضروري من التحسينات من سلع وخدمات لازم للحفاظ على الدين، والحياة، والعقل، والمال، والنسل وذلك طبقا للظروف الاجتماعية في المجتمع الإسلامي ولا تحدد هذه الاحتياجات إلا بقدرها ولتحقيق مصالح الدين والدنيا، كما يجب توفير ذلك لكل فرد من الجمتع قبل الانتقال من الضروريات إلى الحاجيات ثم إلى التحسينات، لأنّ الدين الإسلامي يكفل حياة سعيدة لكل الناس على حد سواء وفي هذا قال

---

(٥٤) سورة النحل،٥-٨.

(٥٥) سورة النحل،١٤.

(٥٦) ١. ترمذي، أبو عيسي محمد بن عيسى، (دون السنة)، السنن، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ١٢٣/٥، رقم: ٢٨١٩
٢. أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٣١٣.

(٥٧) الموافقات، ٢: ٣٣١.

الرسول ﷺ: من كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له،ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له، ومن كان له فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له(٥٨).

وقال ﷺ:

''إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو وقلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناه واحد بالسوية، فهم مني وأنا منهم''(٥٩).

نتيجة البحث:

والحاصل أنّ هذا التوزيع العادل في إشباع الحاجات أمر به الإسلام لئلا يكون هناك جائع إلى جانب الشبعان المفرط، ولا يكون إنسان محروما من السكن إلى جانب القصر الضخم ولايكون هناك إنسان عار إلى جانب ذوي الملابس الفاخرة. فقوامة ترشيد الاستهلاك الفردي تستلزم التوازن بين أولويات الإنفاق من الضروريات إلى الحاجات ومنها إلى الكماليات ما دامت القدرة على ذلك متاحة وليست هي على حساب ضروريات الآخرين من أفراد المجتمع الإسلامي، وعلى أن الحصول على هذه الفئات الثلاث من مستلزمات الحياة مباح في الشرع لكن الإنسان مأمور بالاعتدال في هذا الإنفاق ،وبالله التوفيق.

✯✯✯✯✯

---

(٥٨) مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري، (دون السنة)، الصحيح، دار إحياء التراث العربي. ١٣٥٤/٣، رقم: ١٧٢٨

(٥٩) بخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، بيروت. ٨٨٠/٢، رقم: ٢٣٥٤

﴿المصادر والمراجع﴾

١. القرآن الكريم

٢. أحمد بن حنبل، (دون السنة)، مؤسسة قرطبة، مصر

٣. بخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، بيروت

٤. ترمذي، أبو عيسي محمد بن عيسى، (دون السنة)، السنن، دار إحياء التراث العربي، بيروت

٥. ابن الحاج، محمد بن محمد بن محمد العبدري المالكي، (دون السنة)، المدخل، مكتبة دار التراث، مصر

٦. حصكفي، محمد بن علي بن محمد، (٢٠٠٢م)، الدر المختار، دار الكتب العلمية، بيروت

٧. ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي، (دون السنة)، فتح البارى، دار المعرفة، بيروت

٨. شربيني، شمس الدين محمد بن خطيب، (١٩٩٧م)، مغني المحتاج، دار المعرفة، بيروت

٩. شاطبي، أبو أسحاق إبراهيم بن موسى، (دون السنة)، الموافقات، تعليق: الشيخ عبد الله دراز، دار المعرفة، بيروت، لبنان

١٠. الطّبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد، (١٤١٥هـ). المعجم الأوسط، دار الحرمين، القاهرة.

١١. كاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد، (١٩٨٦م)، بدائع الصنائع، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢. ابن قدامة، عبد الله بن أحمد بن قدامة، (١٤٠٥هـ)، المغني، دار الفكر، بيروت، لبنان.

١٣. مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري، (دون السنة)، الصحيح، دار إحياء التراث العربي

١٤. هيثمي، الحافظ نور الدين، (١٩٩٢م)، مسند الحارث، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية، المدينة المنورة

القواسم المشتركة والمختلفة بين رسالة الغفران للمعري ورسالة الخلود لمحمّد إقبال

The common and different denominators between al-Maʿarrī's Risālah al-Ghufrān and Muhammad Iqbāl's Risālah al-Khulūd

☆ محمد إقبال

☆☆ الدكتور فيض الله البغدادي

ABSTRACT

In the personalities of Abu al-ʿAlaʾ al-Maʿarri and Muhammad Iqbal, where many ideological and literary similarities are found. Both of them artfully excelled on the basis of their superior imagination. And then they preserved it word by word for the generations in the form of a book. Abu al-ʿAlaʾ al-Maʿarri preserved his thoughts in a treatise Resalat Al-Ghufran (The Epistle of Forgiveness) in a prose style while Muhammad Iqbal hoarded his words in a poetic fashion in his Javid Nama (Book of Eternity). In this article, where I have introduced both these masterpieces (magnum opuses), I have also indicated few common points and variant aspects, so that both the books can easily be compared by the reader, and as a result he can draw benefits from the respective compilations.

Keywords: Abu al-ʿAlaʾ al-Maʿarri, Muhammad Iqbal, similarities.

إنّ فكرة رحلة الرّوح الخياليّة، والسير إلى الأفلاك، تعدّ فكرة قديمة قدم الحضارة الإنسانية، ومشتركة بين الشّعوب والأمم في التّاريخ الإنسانيّ. ونجد فكرة الرّحلة هذه في الأدب الفارسيّ، كما في سير العباد لسنائيّ، ومنطق الطّير للعطّار، ومصباح الأرواح للكرمانيّ، وسبعة الأودية لبهاء الله وأخيرًا جاويد نامه أو «رسالة الخلود» لشاعر الشّرق مُحمّد إقبال. وفي الأدب العربيّ كان «الْمعراج النّبويّ» أوّل نصّ دينيّ يحكي قصّة رحلة النبي محمّد

☆ الباحث بمرحلة الدكتوراة بجامعة المنهاج، لاهور

☆☆ الأستاذ المساعد، بالقسم العربي، جامعة المنهاج، لاهور

ﷺ إلى العالم العُلوي والغيبيّ، وجاء بعده معراج أبي يزيد البسطاميّ، ورسالة حي بن يقظان لابن طفيل، ورسالة الغفران، لأبي العلاء المعرّيّ.

والمعراج النّبويّ له جانبان، أحدهما: جانب دينيّ، والآخر: جانب أدبيّ. ومن المعلوم أنّ الجانب الذي يعنينا هنا هو الجانب الأدبيّ، ولا نتطرق إلى جانبه الدّيني. فمِن النّاحية الأدبيّة له نرى أنّ الأدباء والشّعراء والصوفية استمدّوا عبر التاريخ فكرة المعراج من آية الإسراء وقصّة المعراج النّبويّ، وكتبوا في ضوئها كُتبًا، ودوّنوا دواوين، ونهجوا فيها منهج المعراج، وأرسلوا أنفسهم أو أصدقاءهم إلى المعراج على سبيل الخيال، وسجّلوا خيالهم في صور أدبية شعرًا ونثرًا. وأنّهم جعلوا هذه الكتب وتلك الدّواوين سبيلا لإظهار مقدرتهم اللغوية والأدبيّة، وإبراز معرفتهم بالتّاريخ، ووسيلة للتّعبير عن فلسفتهم الدّينيّة، فمن أشهرهم: أبو العلاء الْمعرّيّ أبرز الشعراء العرب، والشّاعر الإيطاليّ الشّهير «دانتي الغيري» وشاعر شبه القارة الهنديّة والباكستانيّة مُحمّد إقبال.

وقد بيّن الدّكتور طه حسين تفكير كلا الشّاعرين – أعني المعرّيّ وإقبال– في معجزة الإسراء قائلا:

''والغريب أنّ الرّجلين اشتركا في هذا التّفكير الْمتّصل بالملأ الأعلى. وكلاهما فكّر في هذه المعجزة التي جاءت في القرآن، وهي معجزة الإسراء، فكّر هذا كلاهما، وحاول كلاهما أن يسري كما أسري بالنّبيّ ﷺ''(١)

لقد فَكَّرَ أبو العلاء في الجنّة وفكّر في النّار واشتهى على أن يسيح في الجنّة والنّار، وأن يكون متفرّجًا، وأن يتحدّث إلى النّاس عن الجنّة والنّار، وعمّا يكون في الجنّة والنّار، فألّف «رسالة الغفران» وصاحبنا الذي نذكره اليوم مُكبّرين له مُجلّين أبَى هو أيضًا إلا أن يعرج في السّماء كما عرج محمّد ﷺ. ولكن كلا الرّجلين عرجَا إلى السّماء في خيالهما. والعلّامة إقبال يشاهد السّماوات ويتّخذ له من هذه الزّيارة دليلا مِن الْمُتصوّفة هو جلال الدّين الرّوميّ فيلاحظ ويشاهد القمر، ويزور المريخ، ويزور كواكب أخرى كثيرة.(٢)

ثم يستنتج الدكتور طه حسين من هذه الرّحلة الخياليّة ملامحَ شخصيّة كُلّ مِن المعري ومحمّد إقبال، كما يذكر وجوهَ التّباين والاختلاف بين كلا الشّاعرين عندما يقول:

---

(١) طه حسين، (٢٠١٢م)، تجديد ذكرى أبي العلاء، مؤسسة هنداوي للتعليم والثقافة، القاهرة. ص: ٢٣٦– ٢٣٨

(٢) أظهر، ظهور أحمد، (الدّكتور)، (دون السنة)، إقبال العرب على دراسات إقبال، المكتبة العلمية، باكستان. ص: ٣٧– ٣٨

''مهما يكن من شيء فقد طوّف إقبال في السّماوات كما طوّف فيها أبو العلاء. لكن النّتيجة لهاتين الزّيارتين مُتناقضة عند الرّجلين أعظم التّناقض. فأمّا أبو العلاء فعاد من زيارته للجنان والنّار ساخرًا منكرًا يوشك أن يخرج عن الدّين. وأمّا إقبال فعاد من زيارته مُؤمنًا متّعظًا معتبرًا، يريد أن يملأ الدّنيا موعظة وعبرة بعد هذه الزّيارة إلى هذه السّماوات''(٣)

وفي الصفحات التالية سنُوضّح التّعريف برسالة الغفران للمعرّي أوّلًا، والتّعريف برسالة الخلود لمحمّد إقبال ثانيًا. كما نذكر بالاختصار محتويات كلّ رسالة منهما. ثم نقوم في النّهاية بالمقارنة بين كلا الرّسالتين، وبتوضيح القواسم المشتركة والمختلقة التي توجد بين رسالة كل واحد منهما.

التّعريف برسالة الغفران

لقد عدَّ كثير من الأدباء رسالةَ الغفران لأبي العلاء من أعظم كتب التّراث العربيّ النّقديّ، الكتاب الذي أحدث ضجّة كبرى في الأوساط الأدبية، وعلّق عليه كثيرٌ مِن العلماء والأدباء تعليقاتٍ شتّى، كما قاموا بحلّ غوامضها وتوضيح مشكلاتها، ويقال:

''إنّ كتاب ''الكوميديا الإلهيّة'' لدانتي -الكاتب الإيطالي المعروف- مأخوذة من رسالة الغفران، وهي من أهمّ وأجمل مؤلّفات المعرّيّ، وقد كتبها ردًّا على رسالة أحد معاصريه في حلب، يدعى عليّ بن منصور الحلبيّ، والذي يُعرف بابن القارح''(٤)

وهي رسالة ذات طابع روائيّ حيثُ جعل المعرّيّ من ابن القارح بطلًا لرحلة خياليّة أدبيّة عجيبة يحاور فيها الأدباء والشّعراء واللّغويّين في العالم العلويّ، وقد بدأها المعرّيّ بمقدمة وصف فيها رسالة ابن القارح وأثرها الطّيّب في نفسه فهي كلمة طيّبة أصلها ثابت وفرعها في السّماء، ثم استرسل بخياله الجامح إلى بلوغ ابن القارح للسّماء العليا بفضل كلماته الطّيّبة التي رفعته إلى الجنّة فوصف حال ابن القارح هناك مزوّدًا الوصف بآيات قرآنيّة وأبيات شعريّة يصف بها نعيم الجنّة، وقد استقى تلك الأوصاف من القرآن الكريم مُستفيدًا مِن معجزة الإسراء والمعراج، أمّا الأبيات الشّعريّة فقد شرَحها وعلّق عليها لغويًّا وعروضيًّا وبلاغيًّا.

---

(٣) طه حسين، (الدّكتور)، تجديد ذكرى أبي العلاء، ص: ٢٣٦- ٢٣٨

(٤) المرجع نفسه.

ويتنقل ابن القارح في الجنّة ويلتقي ويحاور عددًا مِن الشّعراء في الجنّة من مشاهير الأدب العربيّ، منهم مَن غفر الله لهم بسبب أبيات قالوها كزهير. وشعراء الجنّة منهم: زهير بن أبي سُلمى والأعشى وعبيد بن الأبرص، ولبيد بن أبي ربيعة، وحسّان بن ثابت، والنّابغة الذّبياني، والنّابغة الجعديّ. ثم يوضّح قصّة دخوله للجنّة مع رضوان خازن الجنّة ويواصل مسامراته الأدبيّة مع من يلتقي بهم من شعراء وأدباء، ثم يعود للجنّة مجددًّا ليلتقي عددًا من الشّعراء يتحلّقون حول مأدبة في الجنّة، وينعمون بخيرات الجنّة من طيور وحور عين ونعيم مقيم. ثم يمرّ وهو في طريقه إلى النّار بمدائن العفاريت، فيحاور شعراء الجنّ مثل «أبو هدرش»، ويلتقي حيوانات الجنّة ويحاورها ويحاور الحطيئة. ثم يلتقي الشّعراء من أهل النّار، ومنهم: امرؤ القيس، وعنترة بن شدّاد، وبشّار بن برد، وعمرو بن كلثوم، وطرفة بن العبد، والمهلهل، والمرقّش الأكبر، والمرقّش الأصغر، والشّنفريّ، وتأبّط شرًّا وغيرهم. ثم يعود من جديد للجنّة ونعيمها.

إلى جانب ذلك كان المعرّيّ مُسرفًا إسرافًا متجاوزًا في العمية اللّغويّة، والجري في مضمار الغريب كأنّه يكتب لخاصته كما يظن طه حسين(٥)، وأنّه لم يشأ أن يُطلع النّاس، وعامّتهم على آرائه الخاصة، ومنازع فكره العجيبة، لكن هذا الغريب النّادر أظهر لنا أبا العلاء واسع الاطّلاع إلى حدّ لم نألفه عند سواه على الغريب. والجدير بالذّكر بأنه جاء بالألفاظ الجديدة التي كانت مواتًا، ومستوفيًا قواعد اللّغة، والشّاذ فيها، متصرّفًا بالاشتقاق.

تحتوي رسالة الغفران على العلوم الكثيرة مثل الشّعر، ورواية الشّعر، والتّاريخ، والأماكن، والقرآن وتفسيره، والحديث ومختلف شؤونه، واللّغة وكلّ ما يتعلّق بها. وجاء أبو العلاء المعريّ ينبش، ويكشف، أو يصحّح أو يفضح.

التّعريف بجاويد نامه (رسالة الخلود)

إنّ منظومة «جاويد نامه» من أروع أعمال إقبال بالفارسيّة، يمزج فيها التّصوّف بالفلسفة والتّاريخ. وفيها يقوم جلال الدّين الرّومي بدور المرشد والدّليل، ويقود إقبالا ممثّلا في ''زنده رود أي النّهر الخالد''، ويعرج به في عدّة سماوات، ثم يشرف بالقرب الإلهي، ويصبح على صلة بالأنوار الإلهيّة.

وفي خلال زياراته إلى فلك القمر، ووادي الطّواسين، وسماوات الأفلاك: عطارد والزّهرة والمريخ والمشتري وزحل، وتلك الأماكن فيما وراء الأفلاك، يلقى بعدد من الشّخصيّات المرموقة من الفلاسفة والصّوفيّة والشّعراء

---

(٥) طه حسين، (الدّكتور)، تجديد ذكرى أبي العلاء، ص: ٢١٨

والملوك والسّاسة القدامى والمعاصرين، ويتحدّث إليهم في العديد من المشاكل المعقّدة التي يواجهها العالم. ويتّخذ من ذلك سبيلا لتقديم التّوجيهات والإرشادات التي تحلّ هذه المشاكل أو تساعد على حلّها. وفي نهاية المثنوي يخاطب ابنه جاويد، رمزًا للشّباب عامّة، ويقدّم من النّصح إلى «الجيل الجديد» ما يناسب تطلّعاته وحاجاته ودوافعه.(٢)

يُعتبر هذا الدّيوان التّحفة الأدبيّة لمحمّد إقبال، وهو عبارة عن شعرٍ «مثنوي» للفلسفة الدّينيّة، ويحتوي على نحو ألفي مقطع شعريّ مزدوج، طبع عام ١٩٣٢م، وأنّه يبرز قُوى الشّاعر الفكريّة وذراها الرّفيعة، وفيه تورية إلى جاويد ابن الشّاعر، ويشتمل هذا الدّيوان على ثمانية أقسام، وفيها يحكي الشّاعر قصّة سفر في الأفلاك كقصّة دانتي الشّاعر الإيطالي، تبدأ القصّة بمقدمة فيها مناجاة، وفصول أخرى، إلى أن تظهر روح جلال الدّين الرّوميّ، فيشرح أسرار المعراج، وهو دليل الشّاعر في هذه الرّحلة، ثم يأتي «زورابه» وهو روح الزّمان والمكان، فيحمل الشّاعر ودليله جلال الدّين الرّوميّ إلى العالم العلويّ.

وقد نظم إقبال هذه المنظومة الشّعريّة الرّائعة في ألف وتسعمائة وتسعة وخمسين بيتًا من الشّعر، وتعدّ من أروع أعماله، بل وتعدّ كوميديا إلهيّة شرقيّة، حيث استطاع إقبال من خلالها أن يعبّر عن آرائه المختلفة المتعلّقة بالمجتمع الإسلاميّ الذي يعيش فيه.

وهذه المنظومة عبارة عن عمل متكامل مستقلّ يتناول قصّة معراج روحيّ عبر الأفلاك يتناول من خلاله الشّاعر ماهيّة حقيقة الخلود للنّفس البشريّة بإبداع رائع أكسبها الخلود مثل اسمها. وقد حظيت هذه المنظومة منذ أن نُشرت بالفارسيّة عام ١٩٣٢م بمكانة عالية على مستوى الشّرق والغرب.

وقد تُرجم هذا المثنوي من الفارسيّة إلى الإنجليزية والإيطاليّة والألمانيّة والتّركيّة كما ترجم إلى الأردية والسّنديّة والبشتوية والبنجابية. وقد ترجم الكتاب إلى العربيّة الدّكتور محمّد السّعيد جمال الدّين ضمن رسالته التي نال بها درجة الدّكتوراه من قسم اللّغات الشّرقيّة في كلّيّة الآداب في جامعة عين شمس، في سبتمبر ١٩٧٢م، ونشر التّرجمة في كتاب بعنوان «رسالة الخلود أو جاويد نامه» في القاهرة في ١٩٧٤م. وكذلك ترجمه إلى العربيّة شعرًا الأستاذ الدّكتور حسين مجيب المصريّ بعنوان «في السّماء»، ونشر في القاهرة، ١٩٧٣م.

وقد اهتمّ بشير أحمد دار بالقسم الأخير من «جاويد نامه» المعنون بـ«خطاب به جاويد» فترجمه إلى الإنجليزيّة، وطبعه في كراتشي في ١٩٧١م مع حواشي المترجم بعنوان(٧):

(٢) معوض، أحمد (الدّكتور)، (دون السنة)، العلامة محمّد إقبال، حياته وآثاره. ص: ٢٦٤

(٧) المرجع نفسه، ص: ٢٦٢– ٢٦٤

"Address to Javid (A word to the new generation)"

القواسم المشتركة بين الرّسالتين

بعد تعريف بسيط لكلا الرّسالتين نذكر الآن القواسم المشتركة بين الرّسالتين. وهي كالآتي:

١. كلا الشّاعرين فكّر في معجزة الإسراء والمعراج، ثم قام كلّ واحد منهما بسير الأفلاك والجنّة وجهنّم في خياله، وكتابة ما شاهده في هذه الرّحلة.

٢. إنّ كتابي «رسالة الغفران» و«جاويد نامه» يدلّان على طول باع مصنّفيهما في ميدان اللغة والأدب. وكلا الشّاعرين اتّخذ كتابه سبيلا إلى إظهار مقدرته العلميّة والأدبيّة، واللغوية، وإبراز معرفته بالتّأريخ، وإلى التّعبير عن فلسفته الدّينيّة والفكريّة.

٣. كلا الشّاعرين استشهد بالكلمات والجمل من القرآن والحديث خلال الكلام لتحسين الأسلوب وتجويده. وأمثلة هذا الاستشهاد كثيرة في الرّسالتين. وعلى سبيل المثال نذكر مثالا واحدًا من كلّ رسالة:

فيقول المعرّيّ عن ندمان الجنّة: علماء اللّغة:

''وقد اصطفى له ندامى من أدباء الفردوس: كأخي ثمالة، وأخي دوس، ويونس بن حبيب الضّبّيّ، وابن مسعدة المجاشعيّ، فهم كما جاء في الكتاب العزيز: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ﴾''(٨)

أمّا استشهاد المعرّيّ بالحديث فيقول:

''ليست في الأعين كذات أنواط، وذات أنواط، كما يعلم، شجرة كانوا يعظّموها في الجاهليّة. وقد رُوي أنّ بعض النّاس قال: «يا رسول الله، اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط''(٩).(١٠)

أمّا استشهاد إقبال بالقرآن فيقول:

''آيۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟ این سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست؟''

''راز دانِ علّم الأسما کہ بود مست آں ساقی وآں صہبا کہ بود''(١١)

---

(٨) سورة الحجر، ١٥/٤٧-٤٨، والمعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د.محمّد الإسكندراني ود. إنعام فوّال، ص: ٦٠

(٩) التّرمذيّ، أبو عيسى محمّد بن عيسى، (دون السنة)، السّنن، دار إحياء التّراث، بيروت. ٤/٤٧٥، رقم:٢١٨٠

(١٠) أنظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ٤١

''ففي شأنِ مَن نزلت آياتُ التّسخير؟ ومِن أجْل مَن يتحيّر هذا الفلك الأزرق. من كان عالمًا بسرّ: علّم الأسماء؟ من كان ثملا بذاك السّاقي وتلك الكأس؟''

فآية التسخير إشارة إلى الآية: ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعًا مِّنۡهُ﴾[١٢]

وأمّا استشهاده بالحديث فيقول:

''گر تو خواہی من نباشم درمیان لی مع اللہ باز خواں از عینِ جان''[١٣]

«لو أردت أن تزيلني من طريقك، فقل بلسان الروح: «لي مع الله».»[١٤]

''فـ«لي مع الله» إشارة إلى الحديث النبوي الشريف الذي قال فيه النبي a: «لي مع الله وقت''»[١٥]

٤. كلاهما دخل الجنّة وطاف بها. فرواية الغفران تبدأ بالفصل الأوّل الذي عنوانه «في الجنّة» فيذكر المعرّيّ في هذا الفصل بأسلوبه البديع مناظر الجنّة من الأنهار، وأوان فيها، وندمان الجنّة، ونزهة في الجنّة، وكذلك طواف ابن القارح على مختلف الشّعراء من الأعشى، وزهير، وعبيد، وأبي ذؤيب الهذليّ، والنّابغتين أي نابغة بني جعدة، ونابغة بني ذبيان، وأعشى قيس وغيرهم، ويحضر في مجلس غناء.[١٦]

وكذلك يذكر إقبال الجنّة في رسالته ويقوم بزيارته في عدة أبيات منها:

''در زبانِ خود چسان گویم کہ چیست ایں جہان نور و حضور و زندگی ست!''[١٧]

''بلساني هل أصيب وصفها يا لها نور الحياة يا لها!''[١٨]

---

(١١) إقبال، جاويد نامه، ص: ٨

(١٢) سورة الجاثية، ١٣/٤٥

(١٣) إقبال، جاويد نامه، ص: ٢٦

(١٤) إقبال، رسالة الخلود، ترجمة وشرح وتعليق الدّكتور محمّد السّعيد جمال الدّين، ص: ٨٥

(١٥) آلوسي، أبو الفضل شهاب الدين، (دون السنة)، روح المعاني، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ٧٣/٢

(١٦) أنظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٧٣

(١٧) إقبال، جاويد نامه، ص: ١٣٤

(١٨) المصريّ، حسين مجيب، (الدّكتور)، في السّماء، ص: ٢٤٠-٢٤١

٥. كلاهما اتّخذ نخبة من الأشخاص الذين لقيهم هناك من الْمشاهير، من الذين عاصروه أو سبقوا عصره، وحادثهم فيما يهمّهم من الشّؤون. وأمثلة هذا كثيرة في الرّسالتين، لا يسعنا مجال ذكرها كلها هنا.

٦. كلاهما لاقى الشّعراء الذين سبقوه وتكلّم عن شعرهم. وأمثلة هذا أيضًا كثيرة في الرّسالتين، ولكن لقاء المعرّيّ بهم أكثر بكثير من لقاء إقبال بهم.

٧. كلاهما التقى بإبليس خلال هذا السّفر. فيذكر المعرّيّ في الفصل الخامس من الرّسالة أنّ ابن القارح يرى إبليس ويتكلّم معه. وهو يقول:

''فيطّلع فيرى إبليس، لعنه الله، وهو يضطرب في الإغلال والسّلاسل، ومقامع الحديد تأخذه من أيدي الزّبانية. فيقول: الحمد لله الذي أمكن يا عدوّ الله وعدوّ أوليائه! لقد أهلكت من بني آدم طوائف لا يعلم عددها إلا الله''.[١٩]

وأمّا إقبال فيقول بهذا الصّدد:

''گفت رومی خواجۂ اہل فراق! آں سراپا سوز و آں خونیں ایاق!''[٢٠]

''قال مولانا أرى شيخ الفراق يتلظّى والنّجيع في الدّهاق''[٢١]

والمراد بخواجه أهل الفراق المذكور في البيت أعلاه هو الشّيطان إبليس اللعين.

٨. كلاهما لقي الحور العين في الجنّة. فمثلا يقول المعرّيّ بهذا الصّدد:

[[ويخلو، لا أخلاه الله من الإحسان، بحوريّتين له من الحور العِين، فإذا بهره ما يراه من الجمال...''[٢٢]

ويقول إقبال بهذا الصّدد:

''با دلِ پُر خوں رسیدم بر درش یک ہجوم حور دیدم بر درش!''[٢٣]

''دامى القلب إليه قد وصلت وعلى أعتابه حورًا رأيت''[٢٤]

---

(١٩) أنظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٧٣

(٢٠) إقبال، جاويد نامه، ص: ١٣٤

(٢١) المصريّ، حسين مجيب، (الدّكتور)، في السّماء، ص: ٢٠٩

(٢٢) أنظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٥١

(٢٣) إقبال، جاويد نامه، ص: ١٨٦

٩. كلا الكاتبين يفيض بالرّجاء ويلقن الأمل، فنرى أن المعري يلتقي بكثير من الشّعراء العصاة الذين يراهم الجمهور من أهل النّار، في الجنّة، راجيًا مِن الله سبحانه وتعالى أن يتوب عليهم بسبب عمل أو بتوبة في آخر حياتهم. ونفس الشّيء نجده عند إقبال في منظومته، فيقول إقبال: إنّ الإنسان بسعيه الصّحيح يستطيع أن يتغلّب على كلّ المشاكل والمتاعب، وأن يصبح مسيطرًا على الزّمان والمكان، وأن يحصل على المقام الذي هو ذروة الشّرف للبشر، وهو تشرّفه بالكلام مع ربّه.

١٠. يجد القارئ في «رسالة الغفران» أسلوب كلّ بطل مظهرًا لشخصيّته، فعلى سبيل المثال: يقول المعري في رسالة الغفران: «فيقول (إبليس): بئس الصّناعة! إنّها تهب غفّة من العيش لا يتّسع بها العيال، وإنّها لمزلّة القدم، وكم أهلكت مثلك! فهنيئًا لك إذ نجوتَ، فأولى لك ثمّ أولى! وإنّ لي إليك لحاجة، فإن قضيتها شكرتك يد المنون. فيقول (ابن القارح): «إنّي لا أقدر لك على نفع، فإنّ الآية سبقت في أهل النّار، أعني قوله تعالى:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾(٢٥)

فيقول:

''إنّي لا أسألك في شيء من ذلك، ولكن أسألك عن خبر تخبرنيه: إنّ الخمر حرّمت عليكم في الدّنيا، وأحلّت لكم في الآخرة، فهل يفعل أهل الجنّة بالولدان المخلّدين فعل أهل القريات''.

فيقول:

''عليك البهلة! أمّا شغلك ما أنت فيه؟ أما سمعت قوله تعالى: ﴿وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾''(٢٦)

ونفس الشيء نجده في رسالة الخلود لإقبال فعلى سبيل المثال: أسلوب إبليس المتأجّج يدلّ على ثورة ذهنه.(٢٧) وهكذا كلّ كلمة من كلمات المبلّغة «قرّة العين الطّاهرة» دالّة على علوّ همّتها وجودة قريحتها، وإخلاصها ومثابرتها وحبّها وحماستها التي تزخر لرسالتها التّبليغيّة.

---

(٢٤) المصريّ، حسين مجيب، (الدّكتور)، في السّماء، ص: ٢٨٩

(٢٥) سورة الأعراف، ٧/٥٠

(٢٦) سورة البقرة، ٢/٢٥، وانظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د.محمّد الإسكندراني ود.إنعام فوّال، ص: ١٧٤

القواسم المختلفة بين الرّسالتين

بعد بيان القواسم المشتركة بين الرسالتين نبيّن الآن القواسمَ المختلفة بينهما وهي كالآتي:

١. اتّخذ المعرّيّ نثرًا ذريعة لرسالته وللإخبار عن رحلته الخياليّة إلا أنّه أيضًا جاء بالشّعر الكثير في كثير من المواضع مِن رسالته، وقلّما تجد صفحة من صفحات رسالة الغفران لا تكون فيها الأبيات الشّعريّة. بينما اتّخذ إقبال الشّعر وسيلة لرسالته وللإخبار عن معراجه الخيالي، ولذا جاءت رسالته بشكل النّظم، ولم يذكر من النثر أيّ شيء في رسالته.

٢. إنّ رحلة إقبال الفكريّة أقرب إلى المعراج النبويّ بكثير من رحلة المعرّيّ، لأنّ إقبالا في رحلته الخياليّة حاول أن يتّبع أسوة المعراج النبويّ –على صاحبه أفضل الصلوات والتّسلميات– فإنّه يسير في الكواكب السّبعة كما سار النّبيّ ﷺ في السّموات السّبع، وفيها يلتقي بمختلف الأشخاص كما التقى النبيّ ﷺ في عروجه مع الأنبياء الكرام، وتعرّفه روح الرّوميّ بالنّاس كما عرّف جبريل النّبيّ ﷺ بساكني السّموات، وفي نهاية المعراج تتركه روح الرّوميّ كما يترك جبريل النّبيّ ﷺ ليتشرّف بزيارة الله، ويقدّم إقبال للجيل الجديد الفلسفة التي يجيء بها من وراء الأفلاك اتّباعًا لرسالة النّبيّ ﷺ بينما لا تزيد جولة المعرّيّ الخياليّة على سير الجنّة والجحيم.

٣. إنّ نصب عيني أبي العلاء في رسالة الغفران هو الحياة بعد الموت ومسائلها، بينما لم يتعرّض لها إقبال، بل ركّز نظره وفكره وقوّة شعره على هذه الحياة الدّنيوية ومشاكلها، وعلى بثّ روح العمل في المسلمين، وخلْق الثّقة والاعتزاز بشخصيّتهم، والإيمان برسالتهم، والطّموح إلى الحرّيّة والقوّة والسّيادة، فلا يهمّه الدّخول في الجنّة أم الجحيم، بل أهمّ شيء عنده أن يملأ هذه الحياة الدّنيوية بالهناء الحقيقيّ وأن يبلّغ أمّة الرّسول ﷺ رسالة الحياة والقوّة.

٤. إنّ المعرّيّ لم يكن هو نفسه بطل رحلته، وإنّما أرسل صديقه ابن القارح لزيارة الجنّة والنّار وأصحابهما، بينما تشرّف إقبال هو نفسه بهذا المعراج الخياليّ.

٥. إنّ ابن القارح ذهب وحيدًا ولم يقتد بأحد من القوّاد الخبراء، فواجه مشاكلَ عديدةً في بداية سفره، مثل ما واجهه في موقف الحشر من المشاكل الكثيرة، ودخوله في الجنّة. بينما اتّخذ إقبال لنفسه في هذه الزّيارة دليلا، وهو جلال الدّين الرّوميّ، فلم يواجه أيّة مشكلة في معراجه، فأراد إقبال هنا أن يحثّنا على اتّخاذ قدوة مرشد فيما نجهل

(٢٧) راجع للنصّ الفارسيّ: محمّد إقبال، جاويد نامه، ص: ١٣٧– ١٣٨

من أمور حياتنا، وديننا، ودنيانا، بينما يفتقد هذا الأمر عند المعرّيّ. وهنا نجد في كلام إقبال إشارة إلى حديث رسول الله ﷺ:

''ما خاب من استشار ولا ندم من استخار ولا عال من اقتصد''. [٢٨]

٦. تناول أبو العلاء المعرّيّ الحشر وأهوال القيامة والصّراط خلال معراجه بينما لم يتطرّق إقبال لذكر شيء منها.

٧. أدخل أبو العلاء المعرّيّ في النّار كُلَّ مَن كان كافرًا في رأيه واعتقاده، وبيّن حاله فيها، بينما لا يجد قارئ إقبال ذكر النّار في «جاويد نامه»، بل يرى المجرمين والظّالمين مِن النّاس في بحر الدّمِ في فلك الزّحل.

٨. بدأ سير ابن القارح عند المعرّيّ من ميدان الحشر[٢٩] ولكن إقبالا بدأه من تلّ على وجه الأرض.[٣٠]

٩. عندما أدرك المعرّيّ أنّ الحياة متاع الغرور، كرِه هذا المتاع ونفض منه يده ونفّر النّاس منه، فبقي منطويًا على نفسه في بيته ينفّر من الحياة الاجتماعيّة، ويدعو النّاس إلى تركها والابتعاد عنها، أمّا إقبال فلا يكره هذا المتاع ولا ينفض منه يده كما لا ينفر النّاس منه، بل يأتي من السّماء برسالة جديدة تحثّ النّاس على العمل وتوقظهم من نومهم العميق، وتحثّهم على الاغتراف من هذه الدّنيا، وما فيها بالّتي هي أحسن.

١٠. تناول المعرّيّ الأشخاص ممّن لقيه في الجنّة أو النّار واتّخذ منهم موضوعًا لبيانه، كقوله: «وينظر الشّيخ «ابن القارح) في رياض الجنّة فيرى قصرين منيفين، فيقول في نفسه:

> ''لأبلغن هذين القصرين فأسأل: لمن هما؟ فإذا قرُب إليهما، رأى على أحدهما مكتوبًا: «هذا القصر لزهير بن أبي سلمى المزنيّ»، وعلى الآخر: «هذا القصر لعبيد بن الأبرص الأسدي» فيعجب من ذلك ويقول: هذان ماتا في الجاهليّة، ولكنّ رحمة ربّنا وسعت كلّ شيء، وسوف ألتمس لقاء هذين الرّجلين، فأسألهما: بم غفر لهما؟...''[٣١]

ولكنّ إقبالا لم يتناول هذا الموضوع بل تناول القضايا المعاصرة العالميّة وجعلها موضوع شعره.

---

(٢٨) الطّبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد، (١٤١٥هـ)، المعجم الأوسط، القاهرة: دار الحرمين، ٦/٣٦٥، رقم: ٦٦٢٧

(٢٩) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٢٢

(٣٠) راجع للنصّ الفارسيّ: محمّد إقبال، جاويد نامه، ص: ١٨- ١٩

(٣١) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق: د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ٧١

١١. يستعير المعرّيّ أبيات الشّعراء الآخرين حتّى لا يملّ ولا يسأم القارئ من طول المقال والأسلوب الموحد. وأمثلة هذا كثيرة جدًّا في رسالة الغفران، ولكن إقبالا لم يستعر أبيات الشّعراء الآخرين في رسالته بل أشار في موضعين إلى مصراعين، أحدهما لبيت قاله عنترة بن شدّاد، والثّاني لبيت قاله الرّوميّ. وهما:

''اے ترا اندر دو چشم ما وثاق مہلتے إن كنت أزمعت الفراق''[٣٢]

''تسكنان بين جفنينا الحداقا مهلة إن كنت أزمعت الفراق''[٣٣]

فأشار بـ«إن كنت قد أزمعت الفراق» إلى مصراع بيت قاله عنترة بن شدّاد.

وكذلك قوله:

''بانسیم آوارہ بودم در نشاط بشنو از نے، می سرودم در نشاط''[٣٤]

''في «نشاط» سرت في ركب النّسيم وتلوت شعر «مولانا» العظيم''[٣٥]

فأشار بـ«**بشنو از نے**» إلى مِصراع بيت قاله الرّوميّ في منظومته الشّهيرة. وهو: «**بشنو از نے چوں حکایت می کند**».

١٢. إنّ ابن القارح لا يقابل في الجنّة إلا بعض الشّعراء والأدباء ولكن إقبالا نجده يمرّ في جولته الخياليّة بمنازل كثيرة يلتقي فيها بشخصيّات مرموقة من الماضي من أصحاب الدّيانات، والفلاسفة، وقادّة الفكر، والصّوفيّة، والشّعراء، والملوك، والسّاسة القدامى والمعاصرين، مثل «غوتم بده» و«زرتشت» و«برتري هري» و«وشوامتر» وغيرهم. إنّهم وإن كانوا قوّاد الدّيانات الأخرى ولكنّهم عظماء من النّاحيّة الإنسانيّة في رأيه، فقدّم أفكارهم وآراءهم التي تتماشى مع أفكاره، وهنا تلمع سعةُ فكر إقبال وعدم انحيازه.

١٣. إنّ أبا العلاء المعرّيّ لم يقدّم فلسفة الحياة أو رسالة الحياة الخالدة خلال تناول هذا الموضوع، بينما بلّغ إقبال إلى النّاس رسالة الحياة الخالدة، وذلك أنّ الإنسان لو أدرك حقيقته فلا قيمة لهذه الأشياء المادّيّة أمامه، بل تصبح هذه الأفلاك واللّوح والقلم تحت سيطرته.

---

(٣٢) إقبال، جاويد نامه، ص: ٥٦

(٣٣) المصريّ، حسين مجيب، (الدّكتور)، في السّماء، ص: ٨٨

(٣٤) إقبال، جاويد نامه، ص: ١٦١

(٣٥) المصريّ، حسين مجيب، (الدّكتور)، في السّماء، ص: ٢٤٩

١٤. يقوم ابن القارح بزيارة الجنّة والنّار، ثم يرجع، بينما لا ينتهي إقبال إلى هذا الحدّ، بل يعرج مزيدًا حتّى تتركه روح مرشده.

١٥. إنّ إقبالا في نهاية معراجه يتشرّف بقرب الحضرة الإلهيّة ويشكو بثّه، بينما ابن القارح لا يعرج إلى الحضرة الإلهيّة، ولا يتشرّف بقربها. ويظهر من هنا فرق كبير بين مكانة ابن القارح وبين مكانة «زنده رود». فالأوّل نجده باذلا جهوده المضنيّة للدّخول في الجنّة، وهو يقول بعد دخوله في الجنة: «وكان مقامي في الموقف مدّة ستة أشهر من شهور العاجلة، فلذلك بقي عليّ حفظي ما نزفته ولا نهكه تدقيق الحساب»(٣٦) بينما إقبال فنراه متشرّفًا بتقرّب الحضرة الإلهيّة.(٣٧)

١٦. إنّ ابن القارح رجل عاديّ انتهازيّ فلذا نجده أحيانًا يريد أن يخدع سدنة الجنّة بما كان يخدع به النّاس في الدّنيا من الشّعر، فينشئ القصائد الطّوال في مدح رضوان. وأحيانًا يمدح عليًّا وفاطمة- رضي الله عنهما- بينما تطلب الملائكة والحور من «إقبال» إنشاد شيء من شعره فتقول حوراء عندما يريد إقبال أن يغادر الجنّة إلى العلى:

''شيوه ها دارى مثال روزگار يک نوائے خوش دريغ از مامدار''(٣٨)

«إنّ لديك خصالا متنوّعة كتنوّع الزّمان فلا تبخل علينا بأنشودة خلّابة».

١٧. يقوم ابن القارح بزيارة نبيّين من الأنبياء عليهما السّلام بينما لا يزور إقبال أحدًا منهم.

١٩. يزور ابن القارح بعض أصحاب النبيّ ﷺ وأهل بيته، مثل حمزة عمّه، وعليّ صهره، وفاطمة بنته، وإبراهيم ابنه، وخديجة بنت خويلد زوجه، وحسّان بن ثابت شاعره ﷺ بينما لم يزر إقبال أحدًا منهم.

١٩. واجه ابن القارح مصائب كثيرة، وبذل جهودًا لدخوله الجنّة بينما دخل إقبال الجنّة مباشرة دون مواجهة هذه المصائب.

٢٠. من المعروف أنّ الجنّة لا يدخلها إلا الجنّ والإنس، وأنّ المخلوقات الأخرى تحاسب وتفنى، ولكنّ المعرّيّ ابتكر هذه الفكرة العجيبة بأنّ المخلوقات الأخرى مثل الأسد والحيّات مستحقّة بالجنّة وتدخلها بأعمالها الحسنة، فإنّه يرى الأسد والحيّات في الجنّة. مثلا يقول: «ثم يضرب سائرًا في الفردوس، فإذا هو بروضة مؤنِقة، وإذا هو

---

(٣٦) أنظر المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٢٢ وما بعدها

(٣٧) أنظر إقبال، جاويد نامه، ص: ١٨٨ وما بعدها

(٣٨) إقبال، جاويد نامه، ص: ١٨٧

بحيّات يلعبن ويتماقلن، فيقول «ابن القارح»: لا إله إلا الله! وما تصنع حيّة في الجنة؟...»[٣٩] ولم نجد مثل هذه الظّاهرة في منظومة إقبال: جاويد نامه.

٢١. كان المعرّيّ أوّل من فكّر بإرسال البشر العادين في الرّحلة الخياليّة إلى العلى، ولسنا نبالغ إذا قلنا: إنّ النّوافذ الكبيرة التي فُتحت على الأدب العربيّ كان المعرّيّ من أهمّ فاتحيها. وأنّ معراجه مهّد فيما بعد لظهور كثير من المعراجات على غرارها في العالم الإسلاميّ والغربيّ على حد سواء.

٢٢. يجد ابن القارح في رحلته هذه نفرًا من الجنّ ويحادث واحدًا منهم، فيقول المعرّيّ: «فيركب «أي ابن القارح» بعض دوابّ الجنّة ويسير، فإذا هو بمدائن ليست كمدائن الجنّة، ولا عليها النّور الشّعشعانيّ، وهي ذات أدحال وغماليل. فيقول لبعض الملائكة: «ما هذه يا عبد الله؟» فيقول: «هذه جنّة العفاريت الذين آمنوا بمحمّد، ﷺ ، وذكروا في الأحقاف، وفي سورة الجنّ، وهم عدد كثير''. [٤٠]

بينما لا يهمّ إقبالا إلا الإنسُ وصلاحُهم، فلا يتوجّه إلى الجنّ ولا إلى المخلوقات الأخرى غير الإنسان.

٢٣. لم يلتق ابن القارح خلال زيارته الجنّة والنّار بالملائكة إلا خازن الجنّة، بينما تكلّم إقبال معهم وسمع أناشيدهم وأسمعهم شعره. [٤١]

٢٤.إنّ المحرّك لكتابة رسالة الغفران هو الرّدّ على رسالة صديق فقط، بينما قصد إقبال بني نوع الإنس وفلاحهم وإيقاظ المسلمين وإشعال قلوبهم إيمانًا وحماسة وطموحًا إلى حياة الشّرف والاستقلال والسّيادة والحكم، ومن أجلهم كتب هذه الرّسالة.

٢٥.كان إقبال قد قرأ كتاب «رسالة الغفران» وكتُب المعرّيّ الأخرى قبل كتابة «جاويد نامه»، وكانت أفكارها وموضوعاتها في ذهنه وقت كتابة «جاويد نامه». وهذا ما يظهر من تلك المنظومة التي أوردها في كتابه «بال جبريل» أي «جناح جبريل» تحت عنوان: «أبو العلاء المعرّيّ»[٤٢]

بينما لا نجد عن المعرّيّ بأنّه قرأ كتابًا مثل رسالة الغفران قبل كتابة هذه الرّسالة.

---

(٣٩) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندراني ود. إنعام فوّال، ص: ١٢٢-٢١٧

(٤٠) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندراني ود. إنعام فوّال، ص: ١٢٢-١٥٦

(٤١) أنظر إقبال، جاويد نامه، ص: ١٨٨- ١٩٦

(٤٢) إقبال، (دون السنة)، كليات إقبال أردو، ديوان بال جبريل، شيخ غلام علي ايند سنز، لاهور. ط:٣، ص: ١٥٦- ١٥٧

٢٦. نجد المعرّيّ في رسالة الغفران باذلا عنايته على مناظر الجنّة والنّار، وممّا لا شكّ فيه أنّ تصوير هذه المناظر خلاّب وجذّاب ومؤثّر جدًّا، ولكنّ إقبالا لا يلفت نظر قارئه إلى هذه المناظر، بل إلى حقائق الحياة وأسرارها في صورة حكيمة حيث تظهر أبياته الشّعريّة كأنّها درر منظومة.

٢٧. وجّه المعرّيّ إلى مخاطبيه الأسئلة المتعلّقة بهم وبشعرهم ومغفرتهم، وأمثلة هذا كثيرة في الرّسالة بشكل المكالمات بين ابن القارح وبين الشّعراء وغيرهم ممّن لقيهم في الجنّة والنّار، بينما يتحدّث إقبال إليهم في العديد من المشاكل المعقّدة التي يواجهها العالم، ويتّخذ من ذلك سبيلا لتقديم التّوجيهات والإرشادات التي تحلّ هذه المشاكل أو تعين على حلّها.

٢٨. كان الكتّاب في عصر المعرّيّ يحاولون أن يستخدموا المحسنّات البديعيّة والزّينة اللّفظيّة. والأسلوب الشّائع في تلك الفترة كان يميل إلى الزّخرفة والزّينة. فكان همّ المعرّيّ، خلال كتابته أن يتصيّد اللّفظة الرّنّانة كما يتصيّد الغوّاص من أعماق اليمّ اللّؤلؤ والمرجان على أنّ غرابة بعض ألفاظها تحول بين قارئه وبين دخول فردوسه الأدبيّ البهيج(٤٣) كقوله:

> "وما اعتصر بصرخد أو أرض شبام، لكلّ ملك غير عبام؛ وما تردّد ذكره من كميت بابل وصريفين واتّخذ للأشراف المنيفين؛ وما عمل من أجناس المسكرات، مفوقات للشّارب وموكرات، كالجعة؛ والبتع، والمزر، والسّكركة ذات الوزر؛ وما ولد من النّخيل، لكريم يعترف أو بخيل؛ وما صنع في أيّام آدم وشيث، إلى يوم المبعث من معجل أو مكيث؛ إذ كانت تلك النّطفة ملكة، لا تصلح أن تكون برعاياها مشتبكة"(٤٤)

بينما جاءت رسالة «جاويد نامه» محكمة الألفاظ حتّى لا إحكام بعده، مفعمة بالمعاني المفهومة في كلّ بيت حتّى لقد يتناول الحقبة بما جرى فيها من عظيم الحوادث مجموعة في كلمات.

٢٩. طاف كلاهما في السّماوات ولكن النّتيجة لهاتين الزّيارتين متناقضة عند الرّجلين أعظم التّناقض، فأمّا أبو العلاء المعرّيّ فعاد من زيارته للجنان والنّار- حسب رأي الدّكتور طه حسين- ساخرًا منكرًا يوشك أن يخرج

---

(٤٣) كيلاني، كامل، (١٩٤٤م)، على هامش الغفران، ، مكتبة المعارف، الرياض. ص: ٦.

(٤٤) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندراني ود. إنعام فوّال، ص: ٤٩-٥٠.

على الدّين. وأمّا إقبال فعاد من زيارته مؤمنًا متّعظًا معتبرًا يريد أن يملأ الدّنيا موعظة وعبرة بعد هذه الزّيارة إلى هذه السّماوات.(٤٥)

٣٠. نجد غلبة المواد الأسطوريّة في رسالة الغفران، بينما لا نجدها عند إقبال إلا قليلا.

٣١. لم يعط أبو العلاء المعرّيّ رسالة جادّة لبني آدم، بينما أعطى إقبال رسالة جامعة وجادّة للشّباب يستطيع كلّ شابّ أيًّا كان وإلى أيّ مذهب ينتمي أن يجعلها لائحة حياته.(٤٦)

٣٢. لم يتعرّض أبو العلاء المعرّيّ للحياة وقضاياها إلا قليلاً، إنّه اقتصر على مغفرة النّاس وعدم مغفرتهم بينما يصرف إقبال عنايته إلى المسائل المتعلّقة بالحياة مثل: ما الحياة؟ ما العشق؟ ما العلاقة بين العشق والعقل؟ ما الدّين؟ ما الحقّ؟ ما القدر؟ وما إلى ذلك.

٣٣. يجد قارئ المعرّيّ أصحاب الجنّة يتخاصمون ويتشاجرون رغم أن كتاب الله يقول: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ﴾(٤٧) فإنّ المعرّيّ يصف المشاجرة التي تقع بين النّابغة الجعدي وبين الأعشى في الجنّة وهي تمثّل شجارًا عنيفًا بين شخصيّتين من أكبر شخصيّات العرب إذ يقول الأعشى للجعديّ:

> ''وإنّ بيتًا ممّا بنيتُ ليُعدل بمائة من بنائك! وإن أسهبتُ في منطقك فإنّ المسهب كحاطب اللّيل وإنّي لفي الجرثومة من ربيعة الفرس وهل جعدة إلا رائدة ظليم نفور! أتعيرني مدح الملوك يا جاهل على ذلك، لهجرتَ إليه أهلَك وولدَك؟ ولكنّك خُلقتَ جبانًا هدانا، لا تدلج في الظّلماء الدّاجيّة، ولا تهجر في الوديقة الصّاخدة...''

فيجيبه الجعدي- مغضبًا:

> ''أسكت، يا ضُلّ بن ضُلّ، فأُقسم إنّ دخولك الجنّة من المنكرات، ولكنّ الأقضية جرت كما شاء الله، لحقّك أن تكون في الدّرك الأسفل من النّار! ولقد صَلِيَ بها من هو خير منك! ولو جاز الغلط على ربّ العزّة، لقلت إنّك قد غُلِطَ بك... ويثب نابغة بني جعدة على أبي بصير، فيضربه بكوز من ذهب''(٤٨)

---

(٤٥) أظهر، ظهور أحمد (الدكتور)، إقبال العرب على دراسات إقبال، ص: ٣٧- ٣٨

(٤٦) جشتي، سليم يوسف (الأستاذ)، شرح جاويد نامه، ص: ٨٣

(٤٧) سورة الأعراف، ٤٣/٧

(٤٨) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ١٠٧-١٠٨

٣٤. إنّ المعرّيّ ابتكر فكرة بأنّ الآثم الذي يواظب على ارتكاب إثم خاصّ في الدّنيا كمُدمن الخمر، يدخل الجنّة ولكن يحرم منها في الجنّة، فهذا الأعشى الشّاعر الجاهلي الذي يلقاه ابن القارح في الجنّة يخبره كيفيّة دخوله بها:

''قد كنت أومن بالله والحساب، وأصدق بالبعث وأنا في الجاهليّة الجهلاء... فذهب علي ﷺ إلى النبيّ ﷺ فقال: يا رسول الله ﷺ، هذا أعشى قيس، قد رُوي مدحه فيك وشهد أنّك نبيّ مرسل. فقال: هلا جاء في الدّار السّابقة؟ فقال علي ﷺ: قد جاء ولكن صدّته قريش وحبّه للخمر. فشفع لي، فأُدخلت الجنّة على أن لا أشرب فيها خمرًا فقرّت عيناي بذلك، وإنّ لي مَنَادِحَ في العسل وماء الحيوان. وكذلك من لم يتب من الخمر في الدّنيا لم يسقها في الآخرة''(٤٩)

٣٥. إنّ رسالة إقبال تحمل في طيّاتها غاية جادّة وهدفًا ساميًا وغرضًا نبيلا، ألا وهو إصلاح البشر وإيقاظ الأمّة المسلمة من سباتها العميق بينما لا يريد مصنّف رسالة الغفران من كتابتها إلا السّخريّة، وحسبنا أن نقرأ خلاصة القصّة الطّويلة التي ساقها أبو العلاء بشأن دخول ابن القارح في الجنّة.

قام هذا الرّجل من قبره يوم القيامة فلبث في الموقف مدّة طويلة، حتّى أعياه الحرّ والظّمأ، وهو واثق بدخول الجنّة لأنّ معه صك التّوبة، فلم يفهم معنى الانتظار ففكّر في أن يخدع سدنة الجنّة بما كان يخدع به النّاس في الدّنيا من الشّعر، فأنشد القصائد الطّوال في مدح رضوان وأنشده إيّاها فلم يفهم منه شيئًا، لأنّه لا يتكلّم بالعربيّة، فلمّا يئس منه ابن القارح سأله: ما بالك لم تحفل بقصائدي وقد كان يحفل بها ملوك الدّنيا؟...فلمّا صار إلى باب الجنّة بعد جهد عنيف قال له رضوان: هل معك من جواز؟ فقال: لا، فقال: لا سبيل للدّخول إلا به فعي بالأمر، وعلى باب الجنّة من داخل شجرة صفصاف فقال: أعطني ورقة من هذه الصّفصافة، حتّى أرجع إلى الموقف فآخذ عليها جوازًا، فقال: لا أخرج شيئًا من الجنّة إلا بإذن من العليّ الأعلى (تقدّس وتبارك). فلمّا ضجر بالنّازلة قال: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾.(٥٠) لو أنّ للأمير أبي المرجى خازنًا مثلك، ما وصلت أنا ولا غيري إلى درهم من خزانته. فهذه الصّور التي تمثّلها هذه القصّة الصّغيرة تبيّن مقدار ما تشتمل عليه رسالة الغفران من السّخريّة الخفيّة وأمثالها كثيرة.(٥١)

---

(٤٩) المعرّيّ، أبو العلاء، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال، ص: ٧٠-٧١

(٥٠) سورة البقرة، ١٥٦/٢

(٥١) طه حسين (الدّكتور)، تجديد ذكرى أبي العلاء، ص: ٢٣٦- ٢٣٨

هذه هي القواسم المشتركة والقواسم المختلفة بين الرّسالتين أي بين رسالة الغفران لأبي العلاء المعري ورسالة الخلود للعلامة محمّد إقبال. ولاحظنا أن القواسم المختلفة بينهما أكثر من القواسم المشتركة بينهما. ولكننا لا نستطيع أن نفضّل رسالة على أخرى بل لكلّ واحدة منهما أهمّية وميزات خاصّة بها.

✮✮✮✮✮

﴿المصادر والمراجع﴾

١. القرآن الكريم

٢. آلوسي، أبو الفضل شهاب الدين، (دون السنة)، روح المعاني، دار إحياء التراث العربي، بيروت

٣. أظهر، ظهور أحمد (الدّكتور)، إقبال العرب على دراسات إقبال، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان.

٤. إقبال، (دون السنة)، رسالة الخلود، ترجمة وشرح وتعليق الدّكتور محمّد السّعيد جمال الدّين.

٥. إقبال، (دون سنة الطبع)، كليات إقبال أردو، ديوان بال جبريل، شيخ غلام علي ايند سنز، لاهور، باكستان

٦. التّرمذيّ، أبو عيسى محمّد بن عيسى السّلميّ،(دون سنة الطبع). السّنن، دار إحياء التّراث، بيروت.

٧. جبر، رجاء عبد المنعم، (١٩٩١م). رحلة الرّوح بين ابن سينا وسنائي ودانتي، مكتبة الشّباب، القاهرة

٨. جشتي، سليم يوسف، (دون السنة)، شرح جاويد نامه.

٩. الزّيّات، أحمد حسن، (١٩٩٣م)، تاريخ الأدب العربي، دار المعرفة، بيروت، لبنان

١٠. الطّبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد، (١٤١٥هـ). المعجم الأوسط، دار الحرمين، القاهرة.

١١. طه حسين، (الدّكتور)، (٢٠١٢م)، تجديد ذكرى أبي العلاء، مؤسسة هنداوي للتعليم والثقافة، القاهرة.

١٢. كيلاني، كامل، (١٩٤٤م)، على هامش الغفران، مكتبة المعارف، الرياض

١٣. المعرّيّ، أبو العلاء، (دون السنة)، رسالة الغفران، تحقيق د. محمّد الإسكندرانيّ ود. إنعام فوّال.

١٤. معوض، أحمد (الدّكتور)، (دون سنة الطبع). العلامة محمّد إقبال، حياته وآثاره.

١٥. مكي، الطّاهر أحمد (الدّكتور)، (١٩٩٣م).امرؤ القيس حياته وشعره، دار المعارف، القاهرة.

١٦. ايليا حاوي، (١٩٧٠م).النّابغة سياسته وفنّه ونفسيته، بيروت